نئی اردو ریڈر

تعلیم بالغان کا قومی پروگرام

حیات اللہ انصاری

[illegible] نئی دہلی

ترقی اردو ریڈر

تعلیم بالغان کے لیے

پہلی ریڈر

حیات اللہ انصاری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

Taraqqi-e-Urdu Reader
By : Hayatullah Ansari

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن : 1978

دوسرا اڈیشن : 1998 تعداد 3000

قیمت : -/14

سلسلۂ مطبوعات : 818

تصاویر: بہ شکریہ ڈی۔اے۔وی۔پی، وزارتِ اطلاعات و نشریات

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم،
نئی دہلی۔110066

طابع : جے۔کے۔ آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد، دہلی۔110006

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشو و نما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امیدؔ ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

۱۔ پیش لفظ	اِدارہ	۳
۲۔ ساری دُنیا کے مالک (نظم)	مولانا حالی	۷
۳۔ گاندھی جی		۸
۴۔ ریاستوں ریاستوں کے رِشتے		۱۲
۵۔ زہریلا سانپ کون ؟		۱۶
۶۔ چوہے سے بربادی		۲۲
۷۔ گائے (نظم)	اسماعیل میرٹھی	۲۶
۸۔ گلوب کیا ؟		۲۷
۹۔ اگیا بیتال		۳۰

۱۰۔ بجلی کیا؟		۳۴
۱۱۔ پہلے کا مزدور		۳۹
۱۲۔ آج کی بل		۴۳
۱۳۔ پہلے کا کسان		۴۷
۱۴۔ نل کنواں		۵۲
۱۵۔ وطن والو (نظم)	مولانا حالی	۵۶
۱۶۔ وزیرِ اعظم		۵۷
۱۷۔ مولانا آزاد		۶۱
۱۸۔ شرافت (نظم)	مولانا محمد حسین آزاد	۶۵
۱۹۔ الیکشن		۶۶

اے ساری دُنیا کے مالک

اے ساری دُنیا کے مالک　　راجا اور پرجا کے مالک
سب سے انوکھے سب سے نرالے　　آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے
ناؤ جہاں کی کھینے والے　　دُکھ میں سہارا دینے والے
جوت ہے تیری جل اور تھل میں　　باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل میں ہے تیرا بسیرا　　تو پاس اور گھر دور ہے تیرا
بے آسوں کی آس تو ہی ہے　　جاگتے سوتے پاس تو ہی ہے
سوچ میں دل بہلانے والے　　بپتا میں یاد آنے والے
کیجیو میری کشتی بانی　　آپہنچا ہے ڈباؤ پانی

تو ہی ڈبوئے تو ہی ترائے
تو ہی بیڑا پار لگائے

خواجہ الطاف حسین حالی

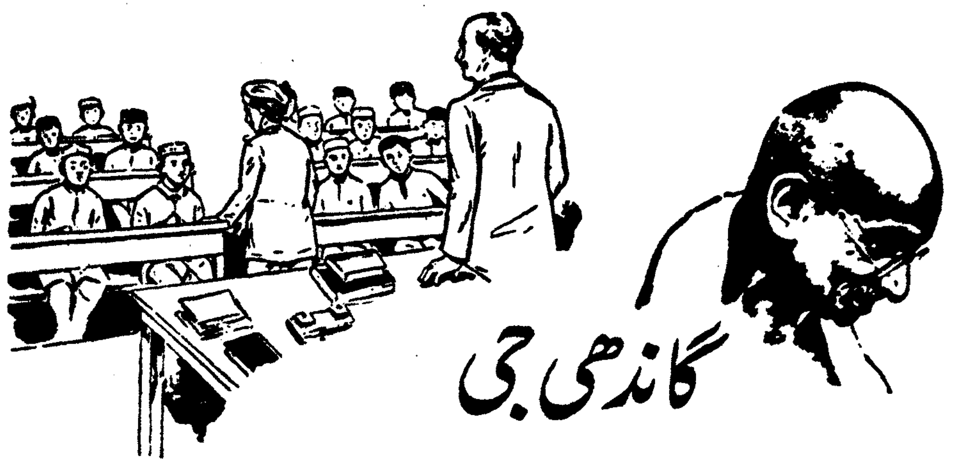

گاندھی جی

اِسکول کے اِنسپکٹر، اِسکول کے معائنے کے لیے آئے۔ سب طالب علم کلاس میں لائن سے بٹھائے گئے۔ اِنسپکٹر نے اُن کو انگریزی کے پانچ لفظ بولے۔ طالب علموں میں سے ایک تھا موہن؛ اُس نے چار لفظ تو ٹھیک لکھے۔ ایک غلط لکھ دیا۔

● یہ دیکھنے آئے کہ پڑھائی کیسی ہو رہی ہے۔

کلاس کا ٹیچر گھوم رہا تھا۔ اِس بات کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ کوئی طالبِ علم نقل نہ کرے۔ موہن کی غلطی پر اُس کی نظر پڑ گئی۔ اُس نے ٹوکا اور اِشارہ کیا کہ پاس کے طالبِ علم کی سلیٹ دیکھ کر نقل کرلو۔

● دوسرے کی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر نہ لکھے۔

یہ اِشارہ موہن کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ٹیچر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ٹیچر کا کام تو یہ ہے کہ وہ کسی کو نقل کرنے نہ دیں۔

جب بچّوں کی سلیٹیں دیکھی گئیں تو سب کے پانچوں لفظ ٹھیک تھے۔ موہن ہی ایسا تھا، جس کا ایک لفظ غلط تھا۔ جب اِنسپکٹر چلے گئے تو اُستاد نے موہن کو بہت بے وقوف بنایا کہ وہ اُن کا اِشارہ نہ سمجھ سکا۔ پھر لڑکوں نے بھی موہن کی ہنسی اُڑائی۔ لیکن موہن نے

اپنی غلطی محسوس نہیں کی ۔ نقل اور دھوکے کا فن اُس کو کبھی نہیں آیا۔

موہن یہ بات تو سمجھ گیا کہ اُستاد مجھے بُرائی کی طرف لے جارہے ہیں ۔ لیکن وہ اُستاد کی پہلے ہی کی طرح عزّت کرتا ۔ اور حکم مانتا رہا ۔ جس طرح وہ دھوکے کو ناپسند کرتا تھا اسی طرح بڑوں کی غلطیاں پکڑنے کو بھی بُرا سمجھتا تھا ۔

● مجھے بُری بات کرنا سکھا رہے تھے ۔

یہ موہن کون تھا ؟ یہ تھے ہمارے باپُو موہن داس کرم چند گاندھی ' سچّائی کی محبت بچپن ہی سے اُن کے دِل میں تھی ۔ اسی طرح کی ایک اور بات سنو ۔

موہن جب لڑکے تھے تو اُس زمانے میں چھُوت چھات کا بہت زور تھا ۔ اُن کے گھر میں بھنگی کا ایک لڑکا کام کرتا تھا ۔ لوگ اُس سے دُور دُور رہتے تھے ۔ ایک دن کسی کام میں موہن نے اُس لڑکے کو چھولیا ۔ اِس پر اُن کی ماں جو دَھرم کرم کی ماننے والی تھیں موہن پر ناراض ہوئیں اور کہا کہ ابھی جاکر نہاؤ ۔

● اونچ نیچ اور چھوت چھات کی باتوں پر عمل کرنے کو ہندو اپنا دھرم سمجھتے تھے ۔

موہن اپنی ماں سے بہت محبت کرتا تھا ۔ کبھی کبھی برسات کے دنوں میں ماں اس طرح کا برت رکھ لیتی تھیں —— کہ جب تک سورج نہ دیکھ لوں گی ۔ کھانا نہیں کھاؤں گی ۔ موہن آنگن میں کھڑا آسمان کو تکا کرتا تھا کہ کب سورج نکلے اور کب میں ماں کو خبر کروں ——

● مذہبی باتوں کو پابندی سے کیا کرتی تھیں ۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ سورج نکلا اور موہن نے دوڑ کر ماں کو خبر دی ۔ اُنھوں نے آکر دیکھا تو اتنی دیر میں سورج چھپ گیا تھا ۔

جب ماں نے موہن سے کہا کہ تم نے بھنگی کے لڑکے کو چھو لیا ہے ' اِس لیے جاکر اَبھی نہاؤ تو موہن نے کہا : میں ایسا کیوں کروں ؟

کیا وہ انسان نہیں ہے ؟ اس میں کونسی ایسی ناپاکی ہے جو چھونے سے مجھ میں آگئی ؟ ـــــ موہن نے ماں کی یہ بات نہیں مانی۔

غلطیاں کس سے نہیں ہوتی ہیں ؟ گاندھی جی سے بھی ہوئیں، لیکن اُنھوں نے اپنی غلطیوں کو سمجھا اور اُن کے لیے سزا بھگتنے کو تیار ہوگئے اور پکا ارادہ کرلیا کہ اب ایسی باتیں نہ کروں گا۔ جن باتوں نے اُن کو بہت بڑا بنادیا، اُن میں سے ایک یہ بھی تھی۔

گاندھی، جب کم سِن تھے اُن کی دوستی ایک لڑکے سے ہوگئی۔ اُس نے اِن کو سگریٹ پینے پر اُبھارا۔ گاندھی جی کے چچا سگریٹ پیتے تھے۔ اُن کے منھ سے دھواں نکلتا ہوا گاندھی جی کو بہت اچھا لگتا تھا اِس لیے یہ تیار ہوگئے۔ لیکن یہ کام باپ کی اِجازت سے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چھپ کر کرنا ہوگا۔ پھر سگریٹ کہاں سے آئے ؟ اس کے لیے پیسے کہاں ملیں ؟ گاندھی جی کے چچا سگریٹ پی کر اُس کے ٹکڑے پھینک دیا کرتے تھے۔ اُن ہی ٹکڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر، چھپ چھپ کر دونوں لڑکے شوق پورا کرنے لگے۔ لیکن ٹکڑے چھوٹے ہوتے تھے اور ملتے بھی کم تھے۔ پھر تو یہ ہوا کہ گاندھی جی سگریٹ خریدنے کے لیے اپنے نوکر کی جیب سے پیسے اُڑانے لگے۔ لیکن اس سے بھی کام نہیں بنا۔ سگریٹ خریدتے تو چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔

نوجوانی کا زمانہ تھا۔ اس سِن میں دِل میں بہت جوش ہوتا ہے۔ گاندھی جی اور اُن کے دوست کو یہ مجبوریاں ایسی کھلیں کہ دونوں خودکشی پر تیار ہوگئے۔ لیکن جب زہر کھانے چلے تب سوچا کہ اتنی سی بات کے لیے دُنیا چھوڑ دینا، یہ کہاں کی سمجھ داری ہے ؟ کیوں نہ سگریٹ

● کام کرنے میں رکاوٹیں

● اپنے ہاتھوں اپنی جان دے دینا۔

ہی چھوڑ دو؟ ـــــــ اُن دونوں نے خودکشی نہیں کی اور سگریٹ چھوڑدیا۔

کچھ زمانے کے بعد گاندھی جی نے ایک چوری اور کی ۔ انھوں نے اپنے بڑے بھائی کے بازو بند سے سونے کا ایک ٹکڑا کاٹ کر بیچ لیا۔ اُن بھائی نے بہت دن پہلے کسی سے قرض لیا تھا، جو چُکایا نہ تھا۔ گاندھی جی نے سونا بیچ کر وہ قرضہ چکا دیا ۔ یہ چوری گاندھی جی کے دِل پر بوجھ بن گئی ۔ آخر انھوں نے طے کرلیا کہ میں سب غلطیاں اپنے پتاجی سے کہدوں ۔ یہ ہمت نہیں پڑی کہ زبانی کہتے ۔ انھوں نے خط لکھا اور اپنے باپ کو لے جاکر دے دیا ۔ اس خط میں انھوں نے اپنے سب گناہوں کو بتا دیا تھا اور لکھا تھا کہ مجھے سزا دی جائے ۔ گاندھی جی کے پتاجی نے خط پڑھا ۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے ۔ اُنھوں نے کچھ کہا نہیں اور خط پھاڑ ڈالا ۔ ان پاک آنسوؤں نے گاندھی جی کا دُکھ دھو دیا۔

● اُدھار لیا تھا۔

سوالات

۱۔ ٹیچر کا اشارہ موہن کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا ؟

۲۔ لڑکوں نے موہن کی ہنسی کیوں اڑائی ؟

۳۔ ماں موہن پر ناراض کیوں ہوئی ؟

۴۔ جب ماں برت رکھتی تو موہن کیا کرتا تھا ؟

۵۔ جب ماں نے موہن کو نہانے کے لیے کہا تو اس نے کیا جواب دیا ؟

٦۔ کم سِنی میں گاندھی جی سگریٹ پینے کا شوق کس طرح پورا کرتے تھے ؟

۷۔ گاندھی جی اور ان کے دوست خودکشی کرنے کے خیال سے کیوں باز رہے ؟

۸۔ گاندھی جی نے اپنے باپ کو خط کیوں لکھا ؟

۹۔ گاندھی جی کے خط کا ان کے باپ کے دِل پر کیا اثر ہوا ؟

ریاستوں، ریاستوں کے رشتے

اِندر نے راجستھان کے ایک گاؤں میں نل کنواں بنوایا۔ وہاں پانی بہت مشکل سے ملتا ہے۔ لیکن نل کنوئیں میں پانی آنے لگا اور بہت آنے لگا۔ پھر تو اِندر نے وہاں باجرے کا بہت بڑا فارم بنالیا۔ اِن کاموں میں دس برس ایسے گزر گئے کہ اُسے ہوش ہی نہ رہا کہ کب سال آیا اور کب گیا۔ جب فارم کامیاب ہوگیا، تب وہ جے پور گیا اور وہاں اپنے بچپن کے دوست احمد سے ملا جو اب کسی سرکاری دفتر میں کلرک تھا۔ احمد نے اِندر کے لیے چائے بنوائی۔ اُس نے چائے کا ایک ہی گھونٹ پیا تھا کہ منھ بنالیا۔ احمد نے پوچھا کیا ہوا؟ "چائے پھیکی ہے"۔

● جس طرح وہ چاہتا تھا اس طرح کام ہوا۔

احمد نے گھر سے شکر منگوائی تو معلوم ہوا کہ وہ ختم ہوگئی ہے۔ اُس نے اپنے لڑکے سے کہا کہ بازار سے لے آؤ۔

جب لڑکے کے آنے میں دیر ہوئی تو اِندر نے پوچھا "شکر کہاں سے منگوائی ہے؟" احمد نے ہنس کر کہا " بھیا شکر تو اترپردیش میں بنتی ہے یا بہار میں"۔

اِندر نے کہا " پھر تو میں زندگی بھر پھیکی چائے پیوں گا۔ کیونکہ دوسرے دیس کی محتاجی بُری بات ہے۔"

احمد نے کہا: "یہ بھی معلوم ہے چائے کہاں سے آتی ہے؟ بنگال سے آتی ہے۔ چائے کی پیالیاں جو تمہارے ہاتھ میں ہیں، وہ کہاں سے آتی ہیں؟ وہ اتر پردیش کی بنی ہوئی ہیں۔ اور چمچے دیکھو یہ آندھرا پردیش کے ہیں۔

یہ سُن کر اِندر چکرایا گیا۔ کہنے لگا: "اِس کا مَطلب یہ ہے کہ ہمارا راجستھان دوسرے دیسوں کا محتاج ہے۔"

اب دوسرے دیسوں کی بات سنو! راجستھان سے دوسری ریاستوں کو سانبھر کا نمک جاتا ہے۔ بعض لوگ سمندر کے نمک کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ سانبھر ہی کا نمک کھاتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے پاپڑ اور نمکین چیزوں پر دہلی والے مرتے ہیں۔ یہ بھی نہ بھولو کہ مارواڑ کے سیٹھ ہندوستان بھر میں کاروبار کرتے ہیں۔ اور ہمارے نوجوان اپنے اپنے کاموں میں مہارت حاصل کرنے کلکتہ اور بمبئی کی یونی ورسٹیوں اور کارخانوں میں جاتے ہیں۔

اِندر یہ سن کر سنّاٹے میں آگیا۔ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ہمارے دیہاتی دوست تو کہتے ہیں کہ دوسرے دیسوں کے محتاج نہ بنو۔"

دوست، اتر پردیش ہوا، بہار ہوا یا آندھرا پردیش ہوا، یہ دوسرے دیس کب ہیں؟ راجستھان بھی اپنا ہے اور یہ بھی اپنے ہیں۔ ہمارا ملک ایک کنبہ ہے۔ ہر چیز کا کارخانہ ہر جگہ تو نہیں کھل سکتا ہے۔ کسی کارخانے کے لیے کوئی جگہ ٹھیک ہوتی ہے تو کسی کے

● بلا دوسرے کے ہاتھ بٹائے کام نہیں چل سکتا۔

● اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔

● کسی کام کو بہت اچھی طرح جان لینا

● جہاں سب سے اونچی تعلیم دی جاتی ہے

● اچنبھے میں پڑگیا۔

لیے کوئی ۔ مثلاً بیکانیر میں اُون بہت عمدہ پیدا ہوتا ہے، لیکن اُون کے اچھے کارخانے دوسری ریاستوں میں ہیں ۔ ایٹمی بھٹی راجستھان میں کُھل رہی ہے دہلی یا اتر پردیش میں نہیں کھل رہی ہے۔

ڈاکٹروں سے بات کرو تو پتہ چلے گا کہ ہمارا سارا ملک کس طرح جُڑا ہوا ہے ۔ کوئی دوا کہیں بنتی ہے تو کوئی کہیں ۔ کوئی جڑی بوٹی کہیں پیدا ہوتی ہے تو کوئی کہیں ۔ ڈاکٹر مریض کا معائنہ کرنے کے بعد جب نسخہ لکھتا ہے تو وہ صرف ایک بات دیکھتا ہے ۔ وہ یہ کہ مریض جلد سے جلد اچھا ہوجائے ۔ اُس کے نسخے کی ایک دوا مدراس کی ہوتی ہے تو دوسری بمبئی کی اور تیسری اتر پردیش کی ۔ ڈاکٹر غذا بتاتا ہے تو کہتا ہے کہ سیب اور انگور کھاؤ ۔ یہ کشمیر اور آندھرا پردیش میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ ڈاکٹر کی لکھی ہوئی ہر دوا اور اُس کی بتائی ہوئی ہر غذا راجستھان کے بازاروں میں مل جاتی ہے ۔

کیوں نہ ملے ؟ ہمارا ملک تو ایک گھر ہے اور یہاں کے بسنے والے ایک خاندان ہیں ۔ ریلیں، بسیں، ٹرک، مال گاڑیاں اور ہوائی جہاز یہ سب ریاستوں کو اسی طرح ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں جیسے ہم لوگوں کو خونی رشتے جوڑتے ہیں ۔ یہاں کا کچا مال وہاں جا رہا ہے تو وہاں کا اناج یہاں آرہا ہے ۔ فلاں دوا کی کمی ہوگئی ہے تو وہ بمبئی سے ہوائی جہاز پر چلی آرہی ہے ۔ راجستھان کا بیمار اتر پردیش کی پنسلین سے اچھا ہو رہا ہے ۔ اور اتر پردیش کے بیمار کو بمبئی کے ٹانک کی ضرورت ہے ۔ دہلی میں جو بیرونی مہمان آئے ہوئے ہیں اُن کی بنگلور کے آموں کے رس کے ڈبّوں سے تواضع کی جارہی

- ● ایٹم کی طاقت سے چلنے والا کارخانہ
- ● ڈاکٹر کا پرچہ جس پر وہ دوائیں لکھتا ہے۔
- ● وہ رشتے ناطے جو خون کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے ایک دادا یا پردادا کی اولاد ہونا ایک نانی یا پرنانی کی اولاد ہونا۔
- ● طاقت پہنچانے والی دوا
- ● باہر کے ملکوں سے آنے والے لوگ
- ● آؤ بھگت کی

ہے۔ کتنے عمدہ ہیں ریاستوں ریاستوں کے یہ رشتے۔ ان سے ہم سب کے کام بھی نکلتے ہیں۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سارا ہندوستان ایک کنبہ ہے۔

سوالات

۱۔ اِندر نے ایسا کیوں کہا کہ میں زندگی بھر پھیکی چائے پیوں گا ؟

۲۔ اِندر احمد کی کون سی بات سُن کر چکرایا گیا اور کیوں ؟

۳۔ اتّر پردیش ، بہار اور آندھرا پردیش دوسرے دیش کیوں نہیں ؟

۴۔ ڈاکٹروں سے بات کرنے پر کیا پتہ چلتا ہے ؟

۵۔ ڈاکٹر کے نسخے میں کہاں کہاں کی دوائیں ہوتی ہیں ؟

۶۔ ریاستوں، ریاستوں کے رشتے کیسے ہوتے ہیں اور کس طرح ہوتے ہیں ؟

زہریلا سانپ کون ؟

برسات میں سانپ بہت نظر آتے ہیں، دیہاتوں اور شہروں میں بھی۔ وہ رات برات ایک دو آدمیوں کو کاٹ لیتے ہیں اور اس سے موتیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن مرنے والوں میں زیادہ ایسے ہوتے ہیں جو سانپ کے زہر سے نہیں بلکہ **خوف** سے مرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو کاٹنے والا سانپ زہریلا نہیں ہوتا۔ ● ڈر سے مرتے ہیں

ہندوستان میں سانپوں کی قسمیں تو سیکڑوں تک پہنچتی ہیں لیکن اُن میں سے زہر والے چار پانچ ہی ہیں۔ باقی سانپوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کاٹتے ہی نہیں اور ایسے بھی جو کاٹتے تو ہیں لیکن اُن میں زہر نہیں ہوتا۔

سپیرا آتا ہے اپنا پٹارہ کھول کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر بین بجاتا ہے اور پٹارے سے سانپ کو باہر نکالتا ہے۔ سانپ بین کے سامنے پھن نکال کر جھومنے لگتا ہے۔ سب سمجھتے ہیں کہ سانپ بین کی آواز پر جھوم رہا ہے۔

کبھی کبھی سپیرے یہ بھی کرتے ہیں کہ کسی گھر والے سے جا کر کہتے ہیں کہ تمہارے گھر میں سانپ ہے۔ میں نے رات کو اُس کی آواز سُنی ہے۔ گھر والا ڈر کر اُنہیں پیسے دیتا ہے پھر وہ بین بجا کر سانپ نکال دیتے

ہیں۔ کبھی سانپ کے لیے دودھ بھی گھروالے سے لے لیتے ہیں۔

آپ کو سُن کر تعجب ہوگا کہ سپیرے کی یہ سب باتیں جھوٹی ہیں۔ سانپ کا بین کی آواز پر جھومنا کیسا؟ وہ تو آواز سُن ہی نہیں سکتا ہے۔ اُس کے کان ہی نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح سانپ بول بھی نہیں سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے گلے کی بناوٹ ایسی نہیں ہوتی ہے کہ آواز نکال سکے۔ وہ صرف پھُنکار مار سکتا ہے۔ تیسرا جھوٹ یہ ہے کہ سانپ دودھ پیتا ہے۔ سانپ صرف زندہ جانور کھاتا ہے جیسے کہ مینڈک، چوہا، مُرغی کے چوزے وغیرہ، ان کو مردہ نہیں کھاتا۔ دودھ سانپ کی غذا نہیں ہے۔

سانپ بین کے سامنے جو جھومتا ہے تو اس کی وجہ کچھ اور ہوتی ہے۔ کالا جو کہ پھَن دار ہوتا ہے اُس کی عادت ہے کہ اگر کوئی چیز اُس کے سامنے ہلنے لگے تو وہ اُسے بہت غور سے دیکھنے لگتا ہے۔ سپیرا جب بین بجاتا ہے تو اسے ہلاتا بھی جاتا ہے۔ بس یہ ہلانا ہی اُس کا جادو ہے۔ سانپ اسی وجہ سے اُس کی طرف تاکتا رہتا ہے۔ سپیرے ایک ایسا سانپ بھی دکھاتے ہیں جس کی دُم بھی اتنی ہی موٹی ہوتی ہے جتنا کہ منہ۔ اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اُس کے دونوں طرف منہ ہوتے ہیں۔ چھ مہینے ایک کام کرتا ہے اور چھ مہینے ایک۔ اُسے دو منہی کہا جاتا ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ اُس سانپ کا بھی ایک ہی منہ ہوتا ہے۔

سپیرے ایک ہرے قسم کا لمبا سا سانپ بھی دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گھوڑے سے تیز دوڑتا ہے اور یہ دُم مارتا ہے جس میں زہر ہوتا ہے۔ اِس سانپ کو دَھامِن کہا جاتا ہے۔

یہ نہ کاٹتا ہے اور نہ اِس کی دُم میں یا منہ میں زہر ہوتا ہے اور نہ

یہ گھوڑے سے تیز دوڑتا ہے۔ ایک تماشا اور دکھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیکھو ہم جادو سے ابھی سانپ پیدا کرتے ہیں۔ پھر وہ کسی جگہ پر زور سے پاؤں دھمکتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہاں پر چادر مار کر ہٹا لیتے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ وہاں سانپ پڑا ہوا ہے۔ یہ سانپ دھامن ہوتا ہے جو سپیرے کی کمر میں بندھا ہوتا ہے اور پاؤں کے دھمکنے سے گر جاتا ہے۔

سپیرے ایسے جھوٹ بول بول کر سیکڑوں سال سے اپنی روزی کما رہے ہیں۔ عام لوگوں میں سے کسی نے بھی سانپ پال کر نہیں دیکھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا۔ اِس لیے لوگ سپیرے کی باتوں کو صحیح مان لیتے ہیں۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے لوگوں کے دل میں سانپ کا خوف بیٹھ گیا۔

● پہل اِسی خوف کا نتیجہ ہے کہ سانپ کے کاٹنے سے اگر دس آدمی مرتے ہیں تو اُن میں سے نو ایسے ہوتے ہیں جن کو بے زہر کے سانپ نے کاٹا ہو۔ یہ بیچارے صرف خوف سے مر جاتے ہیں۔

سانپ سے ہزار گنا زیادہ خطرناک ہوتی ہے دِیا سَلائی کی ڈبیا جو لوگوں کی جیب میں رہتی ہے۔ سانپ تو ایک یا دو جانوں کو لے لیتا ہے۔ لیکن دِیا سَلائی کی ڈبیا محلوں اور بستیوں کو راکھ بنا سکتی ہے لیکن وہ ایسا نہیں کر پاتی۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ اپنے کو آگ سے کیونکر بچایا جائے۔ اگر ہم یہ جان لیں کہ کون سا سانپ زہریلا ہوتا ہے اور کون نہیں اور یہ کہ سانپوں سے کیوں کر بچا جا سکتا ہے تو پھر سانپ کا زہر بھی دِیا سَلائی کی ڈبیا کی طرح قابو میں آجائے گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن

وہ اپنے بدن کی ہڈیوں سے چاپ اور دَھمک محسوس کر لیتا ہے۔ اگر اُس کے سامنے بندوق چھوڑی جائے تو وہ نہیں سُنے گا لیکن اگر پاؤں دَھمک دیا جائے تو وہ محسوس کرے گا اور بھاگ جائے گا۔ اس لیے برسات میں، اندھیرے اور گھاس کے اندر گزرتے وقت پاؤں دمک کر چلنا چاہیے۔

● اسے اپنی ہڈیوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی آرہا ہے یا کچھ گرا ہے۔

سانپ جب چلتا ہے تو آڑ لیتا ہوا۔ کمرے میں بھی چلے گا تو دیواروں کے سہارے۔ کھیت میں مینڈھ اور گھاس سے چھپتا ہوا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو چیل اُٹھالے جائے یا کوّے چونچیں مار مار کر ختم کر دیں۔ اگر آپ ایسے کمرے میں سوتے ہیں جہاں چوہے ہوں تو پلنگ دیواروں سے ذرا دور رکھیں۔ تاکہ اگر سانپ چوہوں کی تلاش میں آئے تو پلنگ اُس کی راہ میں حائل نہ ہو۔

● ڈھونڈنے آئے۔

● رکاوٹ نہ بنے۔

پنجاب سے بنگال تک صرف تین قسم کے سانپ زہریلے ہوتے ہیں۔ اور بھی بہت سے سانپ ہوتے ہیں مگر وہ بے زہر کے ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو کاٹتے بھی نہیں۔

زہریلے سانپوں میں سے ایک ہے "کالا" جو کہ پھَن دَار ہوتا ہے۔ دُوسرا "وائی پَر" جسے لوگ "اَفعی" کہتے ہیں اور تیسرا "کریٹ" جو کالے کی طرح ہوتا ہے مگر پھَن دَار نہیں ہوتا اور اُس کے کالے بدن پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سفید چوڑیاں سی بنی ہوتی ہیں۔

اِن تینوں میں سے کالے کی پہچان سب سے زیادہ آسان ہے۔ کیوں کہ اسے ذرا بھی چھیڑو وہ پھَن نِکال کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن اَفعی اور کریٹ کی پہچان آسان نہیں۔ سَپیرے اِن دونوں سے ڈرتے

ہیں، اِسی وجہ سے اُنہیں پکڑتے ہیں۔

اُفعی کا سر تکونا ہوتا ہے۔ گردن پتلی اور دُم زیادہ نکیلی نہیں ہوتی ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک سانپ اور ہوتا ہے۔ اس کا بھی سر تکونا اور پتلی گردن ہوتی ہے۔ لیکن اس کی دُم آہستہ آہستہ پتلی ہوتے ہوتے ختم ہوتی ہے۔ اُفعی کے سر پر مچھلی کے سفنوں کی طرح کے نشان بھی ہوتے ہیں۔ ایسے نشان اور سانپوں کے بھی ہوتے ہیں لیکن افعی کے سر کے نشان چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

تینوں زہریلے سانپوں میں سب سے زیادہ زہر کریٹ میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ کاٹتا کم ہے۔ ایک عجیب عادت ہے کریٹ کی، اگر اُسے ہلکی سی ٹھوکر لگ جائے یا کوئی چیز اُس پر گر جائے تو فوراً کُنڈلی مار کر اپنا سر اپنی کُنڈلی کے اَندر چھپا لیتا ہے۔

اگر لوگ سانپوں کو پہچاننے لگیں اور اُن کا وہ خوف جو سپیروں نے دِل میں بٹھا دیا ہے، دوُر ہو جائے تو سانپوں کے کاٹے سے جو موتیں ہوتی ہیں وہ بے حد کم ہو جائیں۔

سوالات

۱۔ سانپ کے کاٹنے سے مرنے والوں میں زیادہ تعداد کیسے لوگوں کی ہوتی ہے؟

۲۔ سپیرے کسی گھر والے سے پیسے اور دودھ کس طرح لیتے ہیں؟

۳۔ سانپ بین کی آواز پر کیوں جھومتا ہے؟

۴۔ سانپ کیا کھاتا ہے؟

۵۔ سپیرے دَھامَن کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟

۶۔ دِیاسَلائی کی ڈبیا کو سانپ سے ہزار گنا زیادہ خطرناک کیوں کہا گیا ہے ؟

۷۔ بَرسات اور اَندھیرے میں پاؤں دَھمک کر کیوں چلنا چاہیے ؟

۸۔ کالے کی پہچان آسان کیوں ہے ؟

۹۔ اَفعی کو کس طرح پہچانا جا سکتا ہے ؟

۱۰ کریٹ میں کیا خاص باتیں ہوتی ہیں ؟

چوہے سے بربادی

کھیت کٹ چکا تھا، وہاں سے اناج اٹھایا جاچکا تھا، اس وقت کسان کی نظر چوہوں کے بِلوں پر پڑی، تو اس نے سوچا کہ لاؤ ان کو کھود کر دیکھوں۔ چار بِل تھے، وہ کھودے گئے تو ان کے اندر بہت سا اناج ملا۔ تولا گیا تو چھ کِلو تھا۔ چوہے پودوں سے بالیاں کاٹ کاٹ کر، ان کو بِل کے اندر گھسیٹ لے گئے تھے۔ چار بِلوں میں بڑے اور بچے ملا کر اسّی چوہے نکلے۔ کسان نے حِساب لگاکر کہا کہ سب چوہوں نے مِل کر، جب سے کہ بالیوں میں دانے پڑنے لگے تھے، تب سے اب تک سو کِلو تو کھا ہی لیا ہوگا۔ اتنے میں ایک آدمی سال بھر پیٹ بھر سکتا تھا۔

چوہے کھیتوں کا اناج بھی کھاتے اور چُراتے ہیں، اور جب گوداموں میں اکٹھا کیا جاتا ہے تو اس میں بھی گھس کر یہی کام کرتے

رہتے ہیں۔

چوہے صرف اتنا ہی نہیں کرتے ہیں۔ آبپاشی کی نہروں اور باندھوں کو بھی برباد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے بچاؤ اور مرمت پر بھی سرکار کو پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

● کھیتوں اور باغوں کو پانی دینا۔

دریاؤں پر بہت سے باندھ ایسے بھی ہیں جو مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ چوہے ان میں بل بناتے رہتے ہیں۔ اگر ان کو موقع دے دیا جائے تو چند برسوں میں وہ ان باندھوں کو اتنا کھوکھلا کردیں جیسے دیمک کھائی ہوئی لکڑی ہوتی ہے۔

باندھ کی دیکھ بھال کرنے والوں کا فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اُن کو چوہوں سے بچائیں۔ جھانسی کا ماتا ٹیلا باندھ، مٹی کا بنایا گیا ہے۔ اس کو چوہوں سے بچانے کے لیے یہ ترکیب کی گئی ہے کہ باندھ کی دیواروں سے زرا دور پر بلّیاں گاڑ دی گئی ہیں۔ ان بلّیوں پر رات کو، اُلّو جن کی آنکھیں رات کو خوب کام کرتی ہیں، آکر بیٹھتے ہیں اور اپنی غذا یعنی چوہوں کو دیکھتے رہتے ہیں، جہاں کوئی چوہا اپنے بل سے نکل کر گھومنے لگا، اُلّو جھپٹّا مار کر اسے اٹھالے جاتے ہیں۔ ایک اُلّو چار پانچ چوہے کھاسکتا ہے۔ اس طرح وہ ایک آدمی کی ایک دن کی غذا بربادی سے بچالیتا ہے۔

● دریا جہاں اونچے سے اترتا ہے وہاں دریا کے سامنے دیوار بنادی جاتی ہے۔ دیوار کے پیچھے پانی بھر جاتا ہے اور اونچا ہوجاتا ہے پھر وہ پانی نہروں سے کھیتوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

چوہوں کو باز، شکرے اور چیلیں بھی کھاتی ہیں۔ لیکن یہ پرندے دن کو شکار کرتے ہیں۔ اور دن کو ایک تو بڑے چوہے نکلتے بھی کم ہیں اور اگر نکلتے ہیں بھی، تو جھاڑیوں اور گھاس کی آڑ میں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ پرندے انھیں کم پکڑ پاتے ہیں۔

چوہوں کو سانپ بھی کھاتے ہیں اور بَن بِلاؤ اور سیار بھی۔ یہ راتوں کو شکار کرتے ہیں۔ ان شکاری پرندوں اور جانوروں کی وجہ سے چوہوں کی بڑھوتری زرا رکی رہتی ہے۔ ورنہ چوہے کا ہر جوڑا ہر دوسرے مہینے سات آٹھ بچّے دیتا ہے۔ اور وہ بچّے بھی چھ مہینے میں بچّے دینے لگتے ہیں۔ اس طرح چوہے کا ایک جوڑا دو سال کے اندر کئی ہزار چوہے پیدا کرتا ہے۔

● بڑھنا

چوہے جس طرح دیہاتوں کے گھروں اور کھیتوں کا اناج برباد کرتے ہیں، اسی طرح شہر کے گھروں میں بھی گھسے رہتے ہیں۔ روٹی بھی کھاتے ہیں، اناج بھی کھاتے ہیں اور کتابیں، کاغذ اور لحاف توشک بھی کترتے رہتے ہیں۔ جب ان کاموں سے زرا سی بھی چھُٹّی مل جاتی ہے تو آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے اور کاٹتے ہیں۔ اس جانور کی خاندانی زندگی بہت خراب ہوتی ہے۔

● روئی کا گدّا جو بچھایا جاتا ہے۔

● گھریلو میل جول۔

اناج کی پیداوار کے ماہروں کا خیال ہے کہ جتنی پیداوار ہندوستان میں ہوتی ہے، اس کا دسواں حصّہ چوہوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ یعنی چھ کروڑ آدمیوں کی غذا چوہے کھا جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں چوہے نہ رہیں تو یہاں اناج کی کمی نہ ہو۔ اگر کسی آدمی نے دس چوہے مار دیے تو سمجھو کہ ایک آدمی کا سال بھر کا کھانا بربادی سے بچا لیا۔

● پیداوار کی ہر طرح کی اونچ نیچ کو سمجھنے والے لوگوں کا۔

● ایک کروڑ برابر سو لاکھ کے۔ ایک لاکھ برابر سو ہزار کے۔

کیسے اچھے دن ہوں گے وہ، جب ہمارے ملک میں چوہے

نہ رہیں گے، غذا کی افراط ہوگی اور ملک میں کبھی قحط نہ پڑے گا۔ کیوں کہ اگر ایک جگہ خشک سالی ہوجائے گی تو دوسری جگہ سے وہاں غذا آجائے گی۔

● غذا کی کسی طرح کمی نہ ہوگی۔

● پانی کا نہ برسنا۔

سوالات :

۱۔ جب چوہوں کے بلوں کو کھودا گیا تو کیا کیا نکلا ؟

۲۔ کسان نے کیا حساب لگایا ؟

۳۔ چوہے بربادیوں کے کیا کیا کام کرتے ہیں ؟

۴۔ ماتا ٹیلا باندھ کو چوہوں سے بچانے کے لیے کیا ترکیب کی گئی ؟

۵۔ چوہوں کے ایک جوڑے سے کتنی بڑھوتری ہوتی ہے ؟

۶۔ اگر کسی آدمی نے دس چوہے ماردیے تو کیا سمجھنا چاہیے ؟

گائے

رَب کا شُکر اَدا کر بھائی — جس نے ہماری گائے بنائی
دانا دُنکا ، بھُوسی چوکر — کھالیتی ہے سب خوش ہوکر
کیا ہی غریب اور کیسی پیاری — صبح ہوئی جنگل کو سدھاری
پانی پی کر چارا چر کر — شام کو آئی اپنے گھر پر
کل جو گھاس چری تھی بَن میں — دُودھ بنی وہ اُس کے تن میں
دُودھ ہے سب بچّوں کو دیتی — بَیلوں سے ہوتی ہے کھیتی

دُودھ دَہی اور مٹّھا مَسکا
دے نہ خدا تو کس کے بس کا

محمد اسماعیل میرٹھی

گلوب کیا؟

یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ زمین گول ہے۔ اِس لیے اُس کی صحیح نَقل جسے نقشہ کہا جاتا ہے، اگر بنایا جائے تو اس کو فٹ بال کی طرح کا ہونا چاہیے۔

ایسا نقشہ جو بنایا جاتا ہے، اُس کو گلوب کہتے ہیں۔ گلوب پر سب مُلکوں اور سمندروں کے نقشے بنے ہوتے ہیں۔ تم اپنا گلوب دیکھو اِس میں نیلے رنگ کے جو بڑے بڑے ٹکڑے نظر آرہے ہیں، یہ سب سمندر ہیں۔ زمین کا بڑا حصّہ سمندروں سے ڈھکا ہوا ہے۔ اگر زمین کے دس حصّے کرو، تو سات حصّے سمندر کے ہوں گے۔

سمندر کے جو بڑے بڑے حصّے ہیں، سب کے الگ الگ نام ہیں۔ اِسی طرح خشکی کے بڑے بڑے حصّوں کے بھی الگ الگ نام ہیں۔ خُشکی کا سب سے بڑا ٹکڑا ہے ایشیا۔ جس میں ہندوستان، چین، پاکستان، افغانستان، ایران اور عربستان واقع ہیں۔ دُوسرا بڑا ٹکڑا ہے یورپ۔ جس میں فرانس، جرمنی اور انگلستان ہیں۔ تیسرا بڑا ٹکڑا ہے امریکا۔ اس کے خود دو بڑے بڑے ٹکڑے ہیں۔

گلوب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اور آپ ہوائی جہاز لے کر دُنیا کے گرد ایک چکّر لگا ڈالیں ۔ ہوائی جہاز میں پٹرول کافی ہونا چاہیے تاکہ بیچ میں اُترنا نہ پڑے ۔

فرض کیجیے کہ دلی سے ہم آپ مغرب کی طرف روانہ ہوتے ہیں ۔ تھوڑی دیر میں پاکستان آجاتا ہے ۔ پہلے لاہور پڑتا ہے ۔ پھر پشاور ۔ اِس کے بعد ہم لوگ افغانستان میں آجاتے ہیں ۔ اور اُس کی راج دھانی کابُل سے گذرتے ہیں ۔

● زرا دیر کے لیے مان لیجیے ۔

پاکستان سے نکل کر ایران آجاتا ہے ۔ یہاں کی راج دھانی ہے تہران ۔ اس سے نکلتے ہیں تو عراق آجاتا ہے ، جہاں کی راج دھانی ہے بغداد ۔ وہی بغداد جس کا نام الف لیلا میں بار بار آتا ہے ۔ عراق سے عَرَب شروع ہوجاتا ہے ۔ ہمارے بائیں طرف مُسلمانوں کے مُقدّس مقامات مکّہ اور مدینہ پڑتے ہیں ۔

● ایک بہت مشہور کتاب جو عربی میں لکھی گئی تھی ۔ سندباد کا سفر ۔ الہ دین کا چراغ ۔ اور علی بابا چالیس چور ۔ سب اُسی کی کہانیاں ہیں

بغداد سے نکل کر لمبی اُڑان کے بعد تُرکی آجاتا ہے ۔ اور ہم ایشیا سے نکل کر یورپ میں داخل ہوجاتے ہیں ۔ ہمارے داہنی طرف جرمنی ہوتا ہے اور بائیں طرف یونان ۔ بہت لمبی اُڑان کے بعد ہم فرانس میں آجاتے ہیں ۔ یہاں کی راج دھانی ہے پیرس ۔ فرانس سے نکل کر زرا سا سمندر پار کرنا پڑتا ہے اور پھر انگلستان آجاتا ہے ، جس کی راج دھانی ہے لندن ۔

● وہ جگہیں جنھیں مُسلمان بہت پاک سمجھتے ہیں ۔

اِنگلستان سے نکلتے ہیں تو ایک بے حد بڑا سمندر ملتا ہے جس کو اِٹلانٹک کہا جاتا ہے ۔ اس پر اُڑتے اُڑتے ہم تھک کر سوجاتے ہیں ۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو ہم نیویارک پر سے گزر رہے ہوتے ہیں ۔ زرا دیر میں امریکا کی راج دھانی واشنگٹن آجاتی ہے ۔ اب ہوائی جہاز امریکا کو پار کرنے

میں لگ جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا مُلک ہے۔ ہندوستان کا دُگنا۔ آخر اس کو پار کرکے ہم امریکا کے مغربی سرے ہالی وُوڈ آجاتے ہیں، جہاں کے بنے ہوئے انگریزی فلم بہت دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں سے نکلتے ہی بے حد بڑا سمندر آجاتا ہے۔ یہ سمندر پہلے والے سمندر سے بڑا ہے۔ لیکن یہاں کی لہریں اتنی بڑی نہیں ہیں۔

اُڑتے اُڑتے آخر خشکی آجاتی ہے۔ ہم ایشیا کے پورب میں آجاتے ہیں۔ داہنی طرف چین ہوتا ہے۔ کافی دیر کے بعد بَرما آتا ہے۔ اور پھر آسام، یعنی ہم اپنے مُلک میں آجاتے ہیں۔ کلکتّے سے گزرتے ہیں، پھر پٹنے سے، پھر لکھنؤ سے اور آخر دہلی میں آکر اُتر جاتے ہیں۔

اپنے اِس ہوائی سفر میں ہم دو برّاعظم ایشیا، یورپ اور شمالی امریکا سے اور دو بحرِاعظم اٹلانٹک اور پیس فِک سے گزرے۔

● خشکی کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے جیسے ایشیا اور یورپ اور امریکا۔
● بڑے بڑے سمندر جیسے اِٹلان ٹِک اور پیس فِک

سوالات

۱۔ خُشکی کے بڑے ٹکڑے کون کون سے ہیں؟

۲۔ ایشیا میں کون کون سے مُلک واقع ہیں؟

۳۔ یوپ میں کون کون سے مُلک واقع ہیں؟

۴۔ اگر آپ دہلی سے ہوائی جہاز لے کر دنیا کے گِرد ایک چکر لگائیں تو رَاستے میں ایشیا کے کون کون ملک آئیں گے؟

۵۔ ایشیا سے نکلنے کے بعد راستے میں یورپ کے کون کون ملک آئیں گے؟

۶۔ اٹلانٹک سے نکلنے کے بعد خشکی کا جو بڑا حصّہ آتا ہے اُس کا نام اور خصوصیات بتاؤ؟

۷۔ دُنیا کے گِرد چکّر لگانے میں آپ کتنے برّاعظموں اور بحرِاعظموں سے گزریں گے؟

اگیا بتیال

سُکھی لال تین بجے رات کو بہت خوف زدہ گھر واپس آیا اور گھر والوں سے کہا کہ میں اگیا بتیال کی باتیں ہی سنا کرتا تھا۔ لیکن آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا کروں۔ کیا ہڈیوں کا کاروبار چھوڑ دُوں ؟۔

سُکھی کا خاصا کاروبار تھا۔ مُردہ جانوروں کی ہڈیاں بٹور کر اکٹھا کرتا۔ یہ ہڈیاں اچھے داموں میں بک جاتی تھیں۔ سُکھی کا شمار پیسے والے چماروں میں ہونے لگا تھا۔ وہ سمجھ دار بھی تھا اور خط وکتابت کرلیتا تھا۔ اُس کے دوست اُس سے کہا کرتے تھے کہ تم رزروسیٹ سے اسمبلی کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔ ضرور جیت جاؤ گے۔

جب دن چڑھ آیا تو سُکھی اپنے یہاں سے ممبر اسمبلی کے گھر گیا۔ بیوی اور بچے ساتھ تھے۔ سکھی نے ممبر صاحب کو رات کی بات بتائی۔ ممبر نے پوچھا " اگیا بتیال " کیا ہوتا ہے ؟"

" ایک بھوت ہوتا ہے جو منھ سے آگ نکالتا ہے۔ ویرانوں میں پایا جاتا ہے اور جو آدمی پاس سے گذرتا ہے، اُس کا پیچھا کرکے مار ڈالتا ہے۔"

● چٹھی لکھ لیتا تھا اور پڑھ لیتا تھا

● اسمبلی کا الیکشن جو ہوتا ہے تو اُس کے لیے کچھ حلقے ایسے رکھے گئے جہاں صرف اچھوت الیکشن میں کھڑے ہوسکتے ہیں

میرے ہُڑّی گھر میں کچھ دنوں سے چوری ہو رہی ہے۔ رات میں گیا
کہ زرا دیکھوں کہ کون کون لوگ چوری کرتے ہیں۔

رات اندھیری تھی، بدلی چھائی ہوئی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔ جیسے
ہی میں ہُڑّی گھر کے پاس پہنچا۔ اچانک ایک بڑا سا شعلہ چمکا۔ میں ● لوکا
گھبرا گیا کہ یہ کیا ہے۔ زرا دیر کے بعد وہ شعلہ پھر چمکا۔ اب جو دیکھا تو
ایسا لگا کہ ایک بہت بڑا اور خوفناک آدمی منھ سے شعلے نکال رہا ہے۔

میں نے چلّا کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

کان میں آواز آئی "آگیا بتیال"

یہ سُن کر میں بھاگ آیا۔ اب بتاؤ کیا کروں؟

یہ باتیں ہو رہی تھیں تو اور لوگ بھی آگئے۔ ایک نے کہا "سُکھی لال
جی نظر بھی دھوکا دیتی ہے۔ یہ نوجوانی میں مجھ پر بیت چکا ہے۔ ایک
مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ لکھنؤ گئے، میچ کھیلنے۔ ہماری ٹیم میں سولہ لڑکے
تھے۔ سب ایک پُرانے مکان میں ٹھہرا دیے گئے۔ وہاں بڑے بڑے دالان
اور سامنے وِیران سا میدان تھا۔ اور اُس کے آگے ویسا ہی وِیران باغ ● اُجڑا ہُوا
جس کی چار دیواری جگہ جگہ سے گر چکی تھی۔ مکان دیکھنے میں ایسا لگتا تھا
جیسے وہ برسوں سے خالی پڑا ہے۔

ہم سولہ لوگوں کے پلنگ اور سب سامان ایک ہی دالان کے
آدھے حِصّے میں آئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہم بہت تھوڑے سے آدمی
ہیں اور کسی جنگل میں کھو گئے ہیں۔

سب تھکے ہوئے تھے۔ اِس لیے جلد ہی سو گئے۔ سو رہے تھے کہ

کپتان کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا کہ دیکھو کوئی کھڑا ہے۔ دیکھا تو میدان میں بہت بڑے قد کا آدمی بندوق تانے کھڑا تھا۔ ہم سب ڈر گئے۔ جانے کتنی دیر تک سہمے ہوئے کھڑے رہے۔ جب چاند ذرا کھسکا۔ اور روشنی اور سائے کے رخ بدلے تو ہم سب قہقہہ مار کر خوب ہنسے۔

● ڈرے ہوئے

جس چیز کو ہم آدمی سمجھ رہے تھے۔ وہ باغ کی دیوار سے لگا ہُوا ایک سُوکھا درخت تھا۔ اُس کی شاخیں اور دیوار پر پڑنے والے اُس کے سائے۔ دونوں مِل کر کیا سے کیا بن گئے تھے۔ اِس طرح ایک دو نہیں سولہ نوجوان دھوکا کھا گئے۔

ہم سب سوچنے لگے کہ اِتنا بڑا دھوکا کیوں کھا گئے۔ بات یہ تھی کہ ہم لوگوں کے دلوں میں بھُوت کا ڈر پہلے سے گھُسا ہوا تھا۔ درخت اور اُس کے سائے سے جو چیز بنی تھی اُس کو دیکھتے ہی وہ ڈر دل پر ایسا چھا گیا کہ کسی میں یہ ہمّت نہیں ہوئی کہ درخت کے پاس جاکر دیکھتا کہ وہ کیا ہے۔

● ایسا کام کرنے پر اپنے آپ کو اُبھار نہ سکے۔

ایک وکیل نے سکھی سے کہا کہ میری گھڑی دیکھتے ہو؟ یہ اندھیری رات میں چمکتی ہے۔ اُسی طرح جیسے بِلّی کی آنکھیں۔ اُس چمک سے مجھے اندھیرے میں بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا بجا ہے۔ جانتے ہو یہ کیوں چمکتی ہے؟ کیونکہ اس میں فاس فورس لگا ہے۔ راتوں کو جو چیز شعلہ نظر آتی ہے وہ فاس فورس ہی ہوتی ہے۔ رہا آدمی کا اور چہرے کا نظر آنا، سو میرے خیال میں یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے اُن کھلاڑیوں کو، جن کی بات آپ نے سُنی ہے، بھوت نظر آیا تھا۔

● ایک خاص قسم کا مسالہ

ایک ٹیچر نے کہا کہ اب سے پہلے لوگ جانتے ہی نہیں تھے کہ فاس فورس کیا چیز ہے۔ جب وہ گندے نالوں، خراب ہڈیوں وغیرہ سے شعلے اُٹھتے ہوئے دیکھتے تھے تو اپنے دل میں کہتے تھے کہ یہ آگ کہاں سے آئی ہے۔ ہو نہ ہو کوئی بھوت اسے اُگل رہا ہے۔ یہ خیال لوگوں کے دِل میں بیٹھ گیا اور ہوتے ہوتے ہم تک آگیا۔ اب ہم جب ایسے شعلے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ ضرور بھوت ہے۔ اِس لیے شعلے کے پیچھے ضرور مُنہ ہوگا اور بڑا سا بدن ہوگا۔ ایسے خیال کی وجہ سے ہم وہ دیکھ لیتے ہیں جو ہوتا نہیں ہے۔

سُکھی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"اب میں کیا کروں؟"

ممبر اسمبلی نے کہا "تم اپنے ساتھ ٹارچ لے جایا کرو۔ جب شعلہ چمکے تو ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لو کہ وہ ہے کیا؟"

سُکھی لال نے یہ بات مان لی اور ٹارچ لے کر ہڈّی گھر جانے لگا۔ دس دِن کے بعد ایک صبح کو وہ ہنستا ہوا آیا اور کہنے لگا۔ "وکیل صاحب کی بات ٹھیک تھی۔ نکلنے والا شعلہ فاس فورس ہوتا ہے اور وہاں آدمی وادمی کچھ نہیں ہوتا۔

سوالات

۱۔ سُکھی لال ہڈّی گھر سے کیوں بھاگ آیا؟

۲۔ ہٹیم کے لوگوں نے کیا دیکھا کہ سب سہم گئے؟

۳۔ وہ کیا چیز تھی، جس سے سولہ نوجوان دھوکا کھا گئے ؟
۴۔ وکیل نے اپنی گھڑی کی مثال دے کر کیا بات کہی ؟
۵۔ ٹیچر نے بھوت کی کیا حقیقت بتائی ؟
۶۔ دس دن کے بعد آکر سکھی نے کیا کہا ؟

ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں برات آئی۔ بیاہ کے بعد لڑکے کے باپ گنگا نے لڑکی کے باپ سرجو سے پوچھا :

" تمھاری کھیتی کیسی ہے ؟"

سرجو نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا : • افسوس کے ساتھ کہا۔

" اس سال پانی اچھا نہیں ہوا۔ اس لیے کھیتی سوکھی جا رہی ہے۔ اب مجھے نہر کا ناکارہ پانی لینا پڑے گا۔" • جس سے کوئی بھلائی نہ ہو۔

" نہر کا پانی ناکارہ کیوں ؟"

" اس کے اندر کی ساری بجلی تو حکومت نکال لیتی ہے۔ پھر اس میں رہ کیا جاتا ہے ؟" • سرکار

" کیا نل کنوئیں یہاں نہیں ہیں ؟"

سرجو — " اس کا پانی بھی خراب ہوتا ہے۔ کیوں کہ بجلی کے زور سے اس کو نکالا جاتا ہے۔ اس طرح اس میں بجلی بہت گھس جاتی ہے۔ پانی وہی اچھا ہوتا ہے جس سے نہ بجلی نکالی جائے اور نہ ڈالی جائے۔"

گنگا بھی سرجو کی طرح پڑھا لکھا نہیں تھا۔ لیکن وہ پانی سے چلنے والا ایک بجلی گھر دیکھ چکا تھا۔ وہاں کے مستری نے اس کو سمجھایا بھی تھا کہ پانی سے بجلی گھر کی چرخی چلتی ہے۔ چرخی سے مشین چلتی ہے اور مشین بجلی بناتی ہے۔

گنگا نے اس وقت سرجو کے بچّے کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک چرخی دیکھی جو ہوا سے چل رہی تھی۔ وہ سرجو کو دکھاکر ہنس کر کہنے لگا :

"دیکھو تمھارا بچّہ ہوا سے بجلی چھینے لے رہا ہے۔ اب ہم لوگ سانس کیوں کر لیں گے ؟"

سرجو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ گنگا کا کیا مطلب ہے؟ گنگا کہنے لگا :

"جس طرح ہوا اس چرخی کو چلا رہی ہے، اسی طرح پن بجلی گھر میں پانی چرخی کو چلاتا ہے۔ پانی بہت اونچے سے آتا ہے۔ اس میں بہت زور ہوتا ہے۔ اس لیے بڑی بڑی چرخیاں بے حد تیزی سے چلتی ہیں۔ پھر وہ چرخیاں مشین کو چلاتی ہیں، اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہ بجلی تاروں کی مدد سے دُور دُور جاکر، نل کنوؤں کے پمپ کو اس طرح چلاتی ہے جیسے ہم اور تم ہینڈ پمپ کو چلاتے ہیں۔ پہاڑی مقاموں پر جیسے کہ کشمیر اور ہماچل پردیش ہیں، وہاں بہتی ہوئی نہروں اور جھرنوں کی مدد سے پن چکّی چلاتے ہیں، جس سے آٹا پِستا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بہتے ہوئے پانی کے اوپر ایک چرخی لگادی جاتی ہے جو بہت تیز گھومنے لگتی ہے اور پھر اس چرخی اور چکّی کے پاٹ کو ایک پٹّے سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ چکّی کا پاٹ بھی تیزی

سے چلنے لگتا ہے اور آٹا پیستا ہے۔ اگر ہم میں بہت طاقت ہوتی تو ہم نل کنوؤں کے پمپ کو بھی اپنے ہاتھ سے چلالیتے۔ اگر ہم دو جوڑ عمدہ بیل لگادیں تو نل کنواں چل جائے گا۔"

"بھیّا، بجلی ہوتی کیا چیز ہے؟"

"میں تم کو اتنا ہی بتاسکتا ہوں جتنا میں مستری جی کی باتوں سے سمجھا ہوں۔ تم نے **مقناطیس** تو دیکھا ہی ہوگا؟" • چمبک

"ہاں، دیکھا ہے۔"

"لوہے کو اگر اس کے پاس لے جاؤ تو کیا ہوگا؟"

"لوہا بھاگ کر مقناطیس سے چمٹ جائے گا۔"

"مقناطیس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچ لے۔ بجلی کی مشین اسی طرح کی ایک طاقت کو ایسا بنادیتی ہے کہ وہ تانبے کے تار کے ذریعہ میلوں چلی جائے اور جاکر مشینوں کو چلائے یا روشنی کرے۔ اسی چلتی پھرتی طاقت کا نام بجلی ہے۔

مستری جی نے کہا تھا کہ بجلی نمک یا شکر کی طرح کی چیز نہیں ہے جو پانی میں گھل جائے، یا پانی سے نکال لی جائے۔ وہ تو روشنی کی طرح کی چیز ہے۔ ایک بات تو انھوں نے بڑے پتے کی کہی۔ بتایا تھا کہ آسمان پر جو چیز گرجتی اور چمکتی ہے وہ بھی وہی بجلی ہوتی ہے جو یہاں بنائی جاتی ہے۔ ایک عقلمند آدمی نے اس بات کی **آزمائش** اس طرح کی تھی کہ تانبے کے تار سے باندھ کر ایک پتنگ اُڑادیا • جانچ
تھا جو بادلوں تک پہنچ گیا تھا۔ جب بادل چمکے تو تار سے بجلی نیچے آگئی۔

مستری جی کی یہ بات سن کر میں نے کہا تھا کہ:

"پانی تو ہم کو بادلوں ہی سے ملتا ہے۔ ان میں بھی بجلی ہوتی ہے۔ تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ پانی سے بجلی نکل گئی یا آ گئی۔"

سرجو نے یہ بات سُن کر اِطمینان کی سانس لی اور کہا: "بھیّا، اب میں نہر کا پانی ہو یا نل کُنوئیں کا پانی، جو بھی مِلے گا بے دھڑک کھیتوں کو دوں گا۔"

● دل میں جو گھبراہٹ تھی وہ چلی گئی۔

سوالات:

۱۔ سرجو نے کیا سمجھ کر نہر کے پانی کو ناکارہ کہا؟

۲۔ سرجو نل کنوئیں کے پانی کو خراب کیوں سمجھتا تھا؟

۳۔ بجلی گھر کے مستری نے گنگا کو کیا سمجھایا تھا؟

۴۔ بچّے کے ہاتھ میں کاغذ کی چرخی دکھاکر گنگا نے سرجو سے کیا بات کہی؟

۵۔ بجلی کس طرح کی طاقت پیدا کرتی ہے؟

۶۔ ایک عقلمند آدمی نے آسمان پر نظر آنے والی بجلی کی آزمائش کس طرح کی تھی؟

۷۔ گنگا نے ایسی کیا بات کہی جسے سُن کر سرجو نے اطمینان کی سانس لی؟

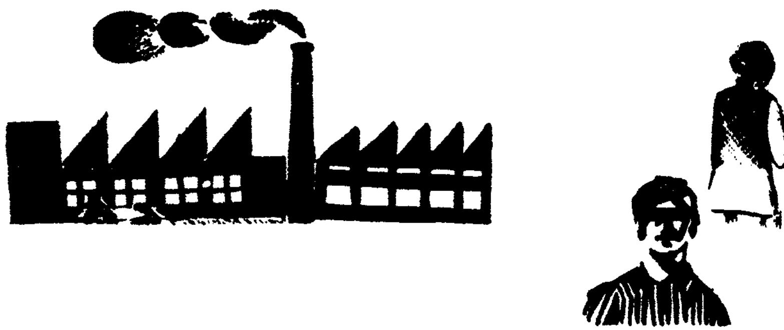

پہلے کا مزدور

جب بابو نے کانپور کی ایک مِل میں نوکری کرلی تو اُسے مکان کی تلاش ہوئی۔ کچھ دنوں تک وہ ایک ساتھی کے یہاں ٹِکا رہا۔ ایک دن اس کے ایک اور ساتھی رگھبیر نے کہا کہ میں جس محلّہ میں رہتا ہوں وہاں مکان مل سکتا ہے۔ بابو اس محلّہ میں چلاگیا۔ یہ محلّہ اس زمین پر بسا ہوا تھا جہاں سے کبھی بھٹّے والوں نے مٹّی نکال کر اینٹیں بنائی تھیں اور بے کار وہیں چھوڑدی تھیں۔ یہاں دو سال سے مزدور جھونپڑے بنا بناکر رہنے لگے تھے۔ یہاں ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ، جس میں کیڑے مکوڑے بھی رہتے تھے اور سُوّر بھی لوٹتے تھے۔ اسی کیچڑ میں لوگوں نے دیواریں اٹھا اٹھاکر چھپّر ڈال لیے تھے۔ پانی کی نکاسی کے لیے کوئی نالی یا نالا نہ تھا۔ اس وجہ سے پانی گھروں سے نکل نکل کر کیچڑ کو بڑھاتا رہتا تھا۔ لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے جانے کے لیے کیچڑ سے ہوکر گزرنا پڑتا تھا۔

• پانی کے نکلنے کے لیے۔

کیچڑ کے اندر راستے بنانے کی ترکیب یہ نکالی گئی تھی کہ جو شخص بھی یہاں کوئی گھر کرائے پر لیتا وہ روزانہ مل سے آتے وقت اِدھر اُدھر کے بھٹّوں سے دو چار ناکارہ اینٹیں اٹھا لانا اور ان اینٹوں کو دو فٹ کے

فاصلے پر رکھ کر کیچڑ کے اندر سے گزرنے کا راستہ بنالیتا تھا۔ آنے جانے والے ان ہی پر ہوکر آیا جایا کرتے تھے۔ ان کے استعمال کی ان لوگوں کو بہت مشق ہوگئی تھی۔ بچّے تو ان پر باقاعدہ دوڑتے بھاگتے اور چھلی چھلیا کھیلتے تھے۔ مگر برسات کی بات دوسری تھی۔ اس زمانے میں راستوں کا کیا سوال۔ گھروں کے اندر بھی زمین توڑ توڑ کر نیچے سے پانی رسنے لگتا تھا۔

● کام میں لانا۔
● مہارت ہوگئی تھی۔

اتنی کیچڑ ہوجانے کی وجہ سے وہ لوگ بھی جو جوتے کے عادی تھے، جوتا چھوڑ دیتے تھے کیوں کہ ربڑ کے جوتے ابھی چلے نہیں تھے۔ چمڑے کے جوتے ہوتے تھے جو بھیگ بھاگ کر خود ہی ایک طرح کی کیچڑ بن جاتے تھے۔

برسات میں سانپ بچھو بہت نکلتے تھے۔ اس وجہ سے لوگ اگر رات کو آتے جاتے تھے تو لالٹین ضرور لے لیتے تھے۔ جن لوگوں کے پاس لالٹین نہیں ہوتی وہ چراغ لے کر اس کو ہوا سے بچاتے اور بجھ جاتے تو بار بار جلاتے ہوئے گھر کے باہر آتے جاتے تھے۔ مگر اس پر بھی برسات میں دو چار مزدور سانپ کے کاٹے سے مرجاتے تھے۔

محلّے کے رہنے والے کیچڑ اور اس کی بو کے ایسے عادی ہوگئے تھے کہ ان کو بھول گئے تھے۔

رگھبیر کا گھر اندر سے کافی کُشادہ اور صاف تھا۔ کیوں کہ باہر کی کیچڑ کو منڈیر بناکر اندر آنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے چھپّر کے اندر ایسا سوکھا تھا کہ وہاں آکر لگتا تھا جیسے کسی اور محلّے میں آگئے۔ بابو نے بھی رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا ہی بنالیا۔

● کھُلا ہو

اس محلّے کی یہ بات بابو کو بہت بُری لگی کہ وہاں نل یا کنوئیں نہیں تھے اور پانی لینے بہت دور سڑک تک جانا پڑتا تھا۔ لیکن ایک مصیبت سے نجات بھی مل گئی تھی۔ پہلے والے محلّے میں اس کو بَم پُلس کے سامنے ● پچھٹکارا
تڑکے سے گھنٹوں لائن لگا کر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ لائن کا معاملہ اتنا سخت تھا کہ ایک مرتبہ بابو کے سامنے دو آدمیوں میں چاقو چل گئے تھے۔ وہ رات گئے مل سے تھکا تھکایا دس گھنٹے کی ڈیوٹی دے کر آتا اور پھر صبح چار بجے سے لائن میں لگنے کے لیے اٹھ بیٹھتا۔

اب بابو آرام سے کھیتوں میں چلا جاتا تھا۔ کسان ہونے کی وجہ سے وہ اس کا عادی بھی تھا۔ محلّے میں زبردست پارٹی بازی تھی جن میں آپس میں چلتی رہتی تھی۔ ایسے مسئلے برابر اٹھتے رہتے تھے، تمھارے ● الجھی ہوئی باتیں۔
گھر کا گندا پانی میرے گھر کیوں آتا ہے؟ میرے گھر کے سامنے کی اینٹیں کون اٹھا لے گیا؟

سب سے زیادہ جھگڑے لڑکے اور لڑکیوں کی وجہ سے ہوتے تھے۔ جن کی تعداد جوانوں سے چوگنی تھی۔ دن کو جب ان کے ماں باپ اور چچا چچی کارخانوں میں چلے جاتے تھے تو ان کو ہر قسم کی آزادی مل جاتی تھی۔ بڑی بہنیں تو چھوٹے بھائی بہنوں کو دیکھتی تھیں۔ باقی سب آزادی سے کھیلتے تھے۔ اور کھیل میں راستے کی اینٹیں اِدھر سے اُدھر کر دیتے تھے۔ جب مزدور تھکے ماندے واپس آتے اور ان کو اینٹیں اپنی جگہ پر نہ ملتیں تو وہ ایک آدھ بچّے کو ٹھونک دیتے۔ پھر ان بچّوں کے بڑوں میں لڑائی ہونے لگتی جس میں رفتہ رفتہ پارٹیاں میدان میں اتر آتیں۔ جیسی پارٹی بازی بڑوں میں تھی، ویسی ہی لڑکوں

اور لڑکیوں میں بھی تھی۔ ان کی پارٹیوں میں بھی روزانہ مار پیٹ ہوجایا کرتی تھی۔ اس میں لڑکیوں کے بال نوچے جاتے تھے اور لڑکوں کے چہرے ناخنوں سے زخمی ہوجاتے تھے۔

لڑائی کا ایک میدان اور تھا جو لڑکوں کے میدان سے بڑا تھا۔ لڑکوں کی لڑائیاں شام کو ہوتیں اور صبح کھیل کے وقت ختم ہوجاتیں۔ لیکن اس میدان کی لڑائیاں دنوں اور کبھی کبھی ہفتوں چلتیں۔ یہ میدان تھا عورتوں کا۔ ان کی لڑائی کے دو وقت تھے۔ دوپہر اور رات گئے۔ دوپہر کو وہ عورتیں لڑتی تھیں جو کام پر نہیں جاتی تھیں اور رات کو وہ عورتیں جو دن کو کام کرتی تھیں۔ مگر یہ میدان کوسنوں، گالیوں ، شور اور چیخوں سے آگے کم ہی بڑھتا تھا۔

سوالات

۱۔ بابو جس محلّے میں رہنے کے لیے چلا گیا وہ کیسا تھا ؟

۲۔ محلّے کے لوگوں نے کیچڑ کے اندر راستے بنانے کی کیا ترکیب نکالی تھی ؟

۳۔ برسات کی راتوں میں لوگ لالٹین یا چراغ لے کر کیوں نکلتے تھے ؟

۴۔ رگھبیر کا گھر کیسا تھا ؟

۵۔ اس محلّے میں بابو کو کون سی بات بری لگتی تھی ؟

۶۔ نئے محلّے میں بابو کو کس مصیبت سے نجات مل گئی ؟

۷۔ سب سے زیادہ جھگڑے کس وجہ سے ہوتے تھے ؟

۸۔ لڑائی کن کن لوگوں میں ہوتی تھی اور کیوں ؟

۹۔ بابو جس ٹولی میں شامل ہوا وہ کیسی تھی ؟

آج کی مل

رامو کو خبر ملی کہ اُس کو شکر مل میں نوکری مل گئی ہے۔ اُس نے اپنے بیوی بچوں سے کہا کہ پہلے میں جاکر دیکھ لوں کہ رہنے سہنے کا انتظام کیا ہے۔ پھر یا تو تم لوگوں کو بلا لوں گا یا نوکری چھوڑ کر چلا آؤں گا۔

● رہنے سہنے کے لیے کیا کیا آسانیاں دی جاتی ہیں۔

رامو کے دادا نے ساری زندگی مل میں کام کیا تھا۔ اُس زمانے میں رہن سہن کا انتظام کچھ ایسا خراب تھا کہ رامو کے باپ اور چچا نے کھیت مزدور رہنا پسند کیا، مل مزدور نہیں بنے۔ اب لوگ کہتے تھے کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ مل میں مزدوروں کو کوارٹر بھی ملتے ہیں اور دوسری آسانیاں بھی۔ یہ سُن کر رامو نے شکر مل کو درخواست بھیج دی تھی۔ پھر مل سے بلاوا آگیا۔

● وہ خط جو افسروں کے نام لکھا جائے اور جس میں نوکری، چھٹی یا کسی اور اسامی کو مانگا جائے۔

ریلوے اِسٹیشن سے مل چھ میل دور تھا۔ رامو کو وہاں تک اِکّے پر جانا پڑا۔ راستہ بھر رامو کو بیل گاڑیوں کی ایک لین ڈوری ملی جو گنّا لے کر مل کی طرف جا رہی تھیں اور ایک اور لین ڈوری تھی خالی گاڑیوں کی، جو مل کو گنّا دے کر واپس آ رہی تھیں۔ اِن آتی جاتی گاڑیوں

● بہت سی بیل گاڑیاں ایک کے پیچھے ایک لگی ہوئی آتی جاتی ہیں۔

کو دیکھ کر رامو نے سوچا کہ مل بہت بڑی معلوم ہوتی ہے۔ جانے وہاں کا انتظام کیسا ہوگا۔ اور لوگ کیسے ہوں گے۔

رامو مل پہنچ کر پوچھتا ہوا دفتر پہنچا۔ وہاں لکھنے لکھانے میں شام ہوگئی۔ رامو کو مل کے داخلے کا پاس دے دیا گیا۔ اور کوارٹر کا نمبر بھی۔ رامو جب کوارٹروں کی بستی میں پہنچا تو وہ اتنی بڑی نظر آئی جتنا اس کا قصبہ تھا۔ بڑے کوارٹر بھی تھے اور چھوٹے بھی۔ ان کے بیچ میں بازار تھا۔ جہاں ضرورت کی سب چیزیں ملتی تھیں۔ ان کے ایک طرف اسکول بھی تھا اور دوسری طرف اسپتال بھی۔

● مل والوں کے لیے بنے ہوئے گھر

● بڑا گاؤں جہاں پولس چوکی ہوتی ہے۔

رامو نے اپنے باپ اور چچا سے سنا تھا کہ مل کی زندگی میں دو چیزوں کی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک پانی اور دوسرے ٹٹی۔ لیکن ساتھ کے مزدوروں نے بتایا کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہر دس کوارٹروں کے بیچ میں ایک نل ہے جو ہر وقت چلتا رہتا ہے اور کوارٹروں کے ایک کونے میں دس دس خانوں والی ایک ٹٹی ہے۔ مردوں کے لیے الگ۔ عورتوں کے لیے الگ۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ ابھی شکر مل کے چلنے کا زمانہ شروع ہی ہوا ہے۔ اس لیے بھیڑ بھاڑ کم ہے۔ آگے چل کر دو اور اس کے بعد تین شفٹیں چلنے لگیں گی تیسری شفٹ کے زمانے میں بھیڑ زیادہ ہوجاتی ہے تب کوارٹروں، نلوں اور بم پلس کی کمی پڑجاتی ہے۔ لیکن سنا ہے کہ حکومت نے مل مالکوں سے کہا ہے کہ کوارٹر، نل اور بم پلس اور بناؤ اور وہ بن رہے ہیں۔

● ایک شفٹ آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے۔ شفٹ ختم ہونے پر جو مزدور کام کر چکے ہیں انہیں گھر بھیج دیا جاتا ہے ان کے بعد نئے مزدور آتے ہیں جو آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ اگر تین شفٹیں ہوں تو ان کے بعد پھر نئے مزدور آکر آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں۔

رامو نے کہا کہ میرے گھر بچہ ہونے والا ہے۔ اس کا کیا انتظام ہے۔ اس کے ساتھی نے کہا " اس کا تو بہت اچھا انتظام ہے۔ سرکار کا حکم ہے

کہ زچہ اور بچے کو ہر طرح کا آرام دیا جائے۔ لیڈی ڈاکٹر بھی بہت اچھی اور تجربہ کار ہے۔

رامو نے کہا "پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ اگر مل میں کام کرتے ہوئے کسی مزدور کو چوٹ آجائے، یا اُس کے جسم کا کوئی حصّہ بے کار ہوجائے تو اُسے نوکری سے الگ کردیا جاتا تھا۔ اب کیا ہوتا ہے؟"

"اب ایسے مزدور کا مل کی طرف سے علاج بھی کیا جاتا ہے اور اُس کو نقد روپیہ بھی دیا جاتا ہے۔ تندرست ہونے کے بعد اگر وہ کوئی ہلکا پھلکا کام کرسکتا ہے تو اُسی میں لگا دیا جاتا ہے۔"

● بیماری سے اچھا ہوجانے کے بعد

اِن باتوں کو سُن کر رامو نے دل میں کہا کہ اب دادا کا زمانہ نہیں رہا۔ پھر وہ دو دن کی چھٹی لے کر گیا اور اپنی بیوی اور آٹھ سال کے بچّے کو لے آیا۔ رامو کا دوسرا بچّہ مل کے زچہ خانے ہی میں پیدا ہوا۔ جب بچّہ تین مہینے کا ہوگیا تو رامو کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ تم اپنی بیوی کو بھی مل میں رکھوادو۔ ڈیوٹی ایسی لگادی جائے گی کہ جب تم مل سے آجاؤ تب تمہاری بیوی کام پر جائے۔

● رامو کی بھلائی کی جو بات ان کے دل میں تھی وہ رامو کو بتائی اور کہا کہ ایسا کرو۔

رامو کو معلوم ہوا کہ عورتوں کی اُجرت کا قانون بن گیا ہے۔ پہلے عورتوں کو مردوں سے کم اُجرت ملتی تھی۔ لیکن اب جو اُجرت مرد کو ملے گی اُسی کام کی وہی اُجرت عورت کو بھی ملے گی۔

● مزدوری کا قانون

رامو اور اُس کی بیوی نے اُن گھروں کو خاص طور سے دیکھا جہاں مرد اور عورت دونوں کام کرتے تھے۔ اور پھر طے کرلیا کہ بیوی بھی کام کرے گی۔ آج کل مل میں تین شفٹیں چل رہی تھیں۔ اِس لیے رامو کی بیوی کو آسانی سے جگہ مل گئی۔ لیکن رامو کی نوکری ایسی تھی کہ جب گنّے

کا زمانہ ختم ہو جائے ، تب بھی چلتی رہے ۔ اُس کی بیوی کو جو نوکری ملی، وہ گنتی کے زمانے تک کے لیے تھی ۔ لیکن کہا گیا کہ اگلے سال اُس کو بھی پکّی جگہ دی جائے گی ۔

اب رامُو کا بڑا بچّہ اِسکول میں تعلیم پا رہا ہے اور میاں بیوی دونوں نوکر ہیں ۔ خوش ہیں ۔

سوالات

۱۔ رامو کے باپ اور چچا مِل مزدور کیوں نہیں بنے تھے ؟
۲۔ آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ کر رامو نے کیا سوچا ؟
۳۔ رامو کو کوارٹروں کی بستی کیسی نظر آئی ؟
۴۔ کوارٹروں کی بستی میں نَل اور ٹٹّی کا کیسا انتظام تھا ؟
۵۔ کسی مزدور کو چوٹ لگنے یا اُس کا کوئی عضو بیکار ہو جانے پر مِل کی طرف سے کیا کیا جاتا ہے ؟
۶۔ عورتوں کی اُجرت کے لیے اب کیسا قانون بن گیا ہے ؟
۷۔ رامو اور اُس کی بیوی کی مُلازمت میں کیا فرق تھا ؟

پہلے کا کِسان

پانچ سال بعد جب بابوٗ انگریزی فوج کی نوکری سے اپنے گاؤں آیا تب اُس کو پتہ چلا کہ میرے دونوں بڑے بھائیوں کی کھیتی جو پہلے ایک میں تھی اَب الگ الگ ہوگئی ہے۔

بابوٗ اپنے منجھلے بھائی مَدن کے گھر گیا تو وہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ پیار سے کھاٹ پر بٹھایا۔ کھانے کو پوچھا۔ اُسی وقت چِلم بھر کر دی۔

بابوٗ کو ایک نظر میں اندازہ ہوگیا کہ اِس گھرانے کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کپڑے جو تھے وہ پھٹے پُرانے تھے اور گرم چیز کوئی نہیں تھی۔ اُس نے پوچھا۔

"کوئی رُوئی کی چیز تم لوگوں نے نہیں بنائی؟"

"کیسے بناتے بابوٗ۔ ہم نے اپنی کھیتی الگ تو کرلی، مگر پیسہ نہ بچا سکے؟"

"کاہے کو نہ بچا سکے؟"

کیا بتائیں۔ اب یہاں پہلے والی بات نہیں رہی۔ پہلے تال کے اِرد گِرد کھیت نہیں تھے، اِس لیے سب طرف سے پانی آکر اُس ● آس پاس چاروں طرف

میں بھر جاتا تھا اور اُس پانی سے آبپاشی ہوجاتی تھی ۔ لیکن اَب ہر طرف کھیت ہی کھیت ہیں ۔ پانی اُن میں روک لیا جاتا ہے ۔کھیتوں کو یا تو پانی بادلوں سے مِل سکتا ہے ، یا کنوؤں سے ۔ اپنا کھیت الگ تو کرلیا ، پر اپنے لیے ایسا کنواں نہ بناسکا کہ بیلوں سے چَرَس چلاکر پانی دیتا ۔ کچّا کنواں بنالیا ہے اور ڈھیکلی سے ڈول ڈول بھر کر پانی دیتا ہوں۔ اتنے پانی سے کھیت کا کیا بھلا ہوسکتا ہے ؟

پھر بات یہ ہے باؤ کہ اب تو ہر ایک پیسہ مانگتا ہے ۔لگان بڑھادیا گیا ہے ۔ اس پر بھی زمیندار کے یہاں شادی ہو تو ہر ہل پر ایک روپیہ شادیانہ لگ جاتا ہے۔

زمیندار ہاتھی خریدے تو ہاتھیانہ لگتا ہے اور موٹر خریدے تو موٹرانہ لگتا ہے ۔ دوُسری طرف نائب تحصیل دار ، قانون گو ، پٹواری ، ضلع دار ، داروگہ جی ، چپراسی اور چوکیدار بھی اپنا اپنا حق مانگتے ہیں ۔ ایسا لگتا ہے جیسے کھیتی پر ہمارے ہی پیٹ کا کوئی حق نہیں ہے ۔ باقی سب کا حق ہی حق ہے ۔

" مگر اناج کا بھاؤ تو اب پہلے سے اچّھا ہے ۔"

ہاں ۔ اناج کا بھاؤ اچّھا ہے ۔ مگر اس کا فائدہ ہم لوگوں کو نہیں دوُسروں کو مِل رہا ہے ۔کیونکہ پیسے کی کمی کی وجہ سے ہم کو اپنی اپنی فصلیں کٹنے سے پہلے ، سستے داموں پر بیچ دینا پڑتی ہیں ۔ یہ نہ کریں تو نہ بیج ملے ۔ نہ کنوئیں درست ہوں اور نہ کھیتوں میں کھاد پڑے ۔

پھر مَدَن بڑے دُرد سے کہنے لگا ۔

" سچ کہتا ہوں باؤ یہ بات کئی مرتبہ مَن میں آئی کہ ایسی نکمّی اور

کانٹوں بھری کھیتی سے اچھا ہے کہ کھیت مزدور بن جائیں ۔لیکن کیا کریں عزت بھی تو کوئی چیز ہے ۔ پھر بچہ ابھی چھوٹا ہے ۔ اور ایک اور آنے والا ہے ۔ دوسری عورتیں اِس حالت میں کام کرلیتی ہیں ، لیکن یہ ایسی نکمی ● ناکارہ ہے کہ جہاں پیٹ بڑھا یہ کھاٹ کی ہو رہتی ہے"۔

" یہ باتیں پہلے سے کیوں نہ سوچ لیں ؟ الگ کیوں ہو گئے بھیّا ؟"

" اِس نکمی سے اور بھوجی سے روز جھگڑا ہوتا تھا ۔ میں اِس پر بگڑتا تھا لیکن لڑائی چلتی ہی رہی ۔ آخر تھک کر اپنا گھر الگ کرلیا ۔ کیا کرتا ۔ جھگڑا تو بات بات پر ہوتا تھا ۔ بھوجی تو کھیتوں میں کام کرتی تھی اور یہ نُباب جادی کھاٹ کے باند توڑتی تھی ـــــ یہ ہے ہی بہت نکمی ۔

" بھوجی لڑتی تھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی "۔

" باتیں ہی ایسی ہوگئیں تھیں ۔ سب سے خراب بات تو یہ ہوئی کہ جنگل کے گرد تار لگ گئے اور وہاں سے چوری چھپے لکڑی لانے والوں کو جیل ہونے لگی ۔ اب ایندھن کہاں سے آئے ، جس سے کھانا پکے ۔ اپنے کھیت کی سوکھی ساکھی ٹہنیاں جھانکڑ اور گھاس پھوس جو نکلتا تھا ، ان سب کو بھوجی بچا بچا کر رکھتی تھی ۔ ان سے بھونری بنالیتی تھی ۔ گوبر بہت نکلتا تھا ، لیکن بھوجی اُس کے جلانے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی ۔ کہتی تھی یہ تو کھیت کا دھن ہے ۔ اُسی کے بھینٹ ہونا چاہیے ۔ بھونری تو کسی نہ کسی طرح کھر پتاور اور جھانکڑ سے بن جاتی تھی ۔ مگر اِس نباب جادی کو تو چاہیے توے پر کی روٹی ۔ اُس کے بغیر اِس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اِس کو چاہیے جاڑوں میں تاپنے کے لیے آگ ۔ اس کے بِنا یہ نہیں رہ سکتی ۔ اور تم تو جانتے ہو کہ توے کی روٹی اور تاپنے

کی آگ بنا کنڈوں کے کہاں مل سکتی ہے ۔ اس پر بڑے بڑے جھگڑے ہوتے تھے۔

پھر یہ نباب جادی دیہات میں رہ کر بھی صابن مانگتی ہے۔ گاؤں کی سب عورتیں اپنا پارا ہوا کاجل لگاتی ہیں، مگر یہ مانگتی ہے سرمہ سلائی۔ ایک دن ایسا ہوگیا کہ لالاجی کی دیکھا دیکھی اس نے رنگ کی پُڑیا خرید کر اپنے پاؤں رنگ لیے۔ تم تو جانتے ہو کہ بھوجی کھیت کی چیزوں کو تو راجا ہریش چندر کی طرح بانٹتی پھرتی ہے۔ لیکن نقد ایک ایک پیسے پر اُس کی جان نکلتی ہے۔ اُس کی یہ بات ہم لوگ تو سمجھتے تھے۔ کیوں کہ جانتے تھے کہ پیسہ کا ملنا کسان کے لیے کتنا مشکل ہے۔ اِس نے رنگ جو خریدا تو اس پر بھوجی آگ ہوگئی۔ پھر جو روزانہ رات کو لڑائی چلنے لگی تو من ایسا اُکتا گیا کہ جی چاہا کہ چلو ندی میں ڈوب مرو۔ لیکن اِس کا پیٹ بڑھ چلا تھا۔ یہ دیکھ کر اِن دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کرسکا۔ پر اتنی بات ہے بابوُ کہ میں نے بھیّا اور بھوجی کو چھوڑ تو دیا پر بہت دُکھی ہوں۔" ● بہت غصہ میں آئی۔

مدن کی آواز رُندھ گئی۔ بابوُ نے اُس کی بیوی کی طرف دیکھا تو وہ بھی آنچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

سوالات :۔

۱۔ بابوُ کو ایک نظر میں بھائی کی حالت کا کیا اندازہ ہوگیا ؟

۲۔ مدن نے بابوُ کو کھیت کے بارے میں کیا بات بتائی ؟

۳۔ مدن نے کیوں کہا کہ ایسا لگتا ہے جیسے کھیتی پر ہمارے ہی پیٹ

کا کوئی حق نہیں ؟

۴۔ اناج کا بھاؤ اچھا ہونے پر بھی اُس کا فائدہ مَدَن کو کیوں نہیں ملتا ؟

۵۔ مَدَن نے اپنی کھیتی کو الگ کرنے کی کیا وجہ بتائی ؟

۶۔ مَدَن کی بیوی اور اس کی بھوجی میں کس بات پر جھگڑے ہوتے تھے ؟

نل کنواں

اُمر ایک بوڑھا کسان ہے جس نے آزادی کی لڑائی میں بہت بڑا حصّہ لیا ہے۔ اُس کے ایک بھائی مَدن نے بہت بہادری سے ۱۹۴۲ء کی تحریک میں اپنی جان قربان کردی تھی۔ اُس کی بیوی چیتیا بھی اُس لڑائی میں شریک رہی۔ آزادی ملنے کے بعد ہی چیتیا کی آنکھیں خراب ہوگئیں۔ پھر چار سال بعد اُن کا آپریشن ہوا۔

• وہ تحریک جو "انگریزو! ہندوستان چھوڑو" کے نعرے پر چلی تھی

اُسی زمانے میں اُمر کے گاؤں کٹ پوری میں پہلا نل کنواں لگا تھا اور اُس کا افتتاح ہونے والا تھا۔ چیتیا کی ضد تھی کہ میری آنکھوں کی پٹّی اسپتال میں نہ کھولی جائے۔ بلکہ نل کنوئیں کے پاس لے جاکر اُس وقت کھولی جائے جب اُس کا افتتاح ہو رہا ہو۔

• اس کی پہل ہونے جارہی تھی۔

اُمر نے جاکر ڈاکٹر سے چیتیا کی یہ تمنّا بیان کی۔ وہ ذرا چکرایا اور کہا کہ پٹّی کھولتے وقت میری موجودگی ضروری ہے۔

• بتایا کہ اس کا دل اس بات کو کتنا زیادہ چاہتا ہے۔

اُمر نے کہا

"آپ نہیں جانتے ہیں کہ اُس کی کتنی پُرانی آرزو ہے کہ اس کے گاؤں میں ایسا کنواں لگے جو درجنوں کھیتوں کی پیاس بُجھادے۔

اگر اُس کا آپریشن ناکام ہو جاتا ہے اور آنکھوں میں روشنی نہیں آتی ہے مگر وہ نل کنوئیں کے پاس ہے تو اس کی مشین چلنے اور پانی بہنے کی آواز سُن سکے گی۔ مشین کو ہاتھ لگائے گی، چُلّو میں پانی لے کر پیے گی اِس طرح بہل جائے گی۔"

● آپریشن سے جو فائدہ پہنچنے والا تھا وہ نہیں پہنچا ہے۔

ڈاکٹر نے امر کی بات مان لی اور چیتیا کے لیے ایمبولنس کا انتظام کر دیا۔ نل کنوئیں کے پاس شامیانے کے لیے اینٹوں پر تختوں کو رکھ کر اِسٹیج بنایا گیا تھا۔ جسے رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ لوگ ہار پھول لیے چیتیا کے منتظر تھے۔ کیوں کہ طے پایا تھا کہ مشین کو وہی اپنے ہاتھ سے چلائیں گی۔

● اسپتال کی وہ موٹر جس میں مریضوں کو لے جاتے ہیں۔

چیتیا جیسے ہی جلسہ گاہ میں پہنچی کمپونڈر نے جو ساتھ آیا تھا، پٹی کھول دی۔ اَمر نے چیتیا کا سر گھما کر نل کنوئیں کی مشین کی طرف کر دیا اور کہا۔

" ادھر ہے تیری آرزو "

چیتیا نے اپنا سر امر کی طرف کر لیا۔ پھر چلائی " مجھے سب نظر آ رہا ہے " اُس نے امر کے پاؤں چھوئے۔ حاضرین کو پرنام کیا اور پھر پوچھا " مشین کیوں کر چلے گی ؟ پانی کدھر سے آئے گا ؟"

● جلسے میں اکٹھا ہونے والے لوگ

" شریمتی جی آپ یہ بٹن دبا دیجیے "

چیتیا نے بٹن دبا دیا۔ مشین دَھڑا دَھڑ چلنے لگی۔ اور ایک منٹ میں پانی کی بہت موٹی دھار تیزی سے نکلنے لگی اور نکل کر اُس نالی میں بہنے لگی جو اُس کے لیے بنائی گئی تھی۔ پانی چلا تو چلتا رہا، چلتا رہا۔ پانی کا اِتنی موٹی دھار میں نکلنا اور تیز رفتاری سے بڑی نالی میں اور

وہاں سے چھوٹی نالیوں میں جانا، یہ سب ایسا منظر تھا کہ جو لوگ جلسے میں آئے تھے وہ سب جلسے کو چھوڑ کر دور تک اِدھر اُدھر نالی کے گرد کھڑے ہوگئے اور ایک خوش گوار سی مسکراہٹوں بھری خاموشی چھاگئی۔

● وہ سب کچھ جو سامنے نظر آئے درخت، میدان، آسمان، پہاڑ وغیرہ۔

پانی دُور تک کھیتوں کے بیچ سے گزر رہا تھا۔ اور آگے جاکر کئی چھوٹی چھوٹی نالیوں میں بٹ رہا تھا۔ آسمان صاف تھا اور سُورج پودوں کو اپنی کرنوں سے نہلا رہا تھا۔ کرنوں سے نہا کر اُن کی پیاس بڑھ رہی تھی اور وہ نل کنوئیں کا پانی پی رہے تھے۔ ان پودوں نے ابھی کچھ ہی دن ہوئے اس زمین پر آسمان کے نیچے جنم لیا تھا۔ وہ یہ کیا جانیں کہ خشک سالی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اُن کے نزدیک تو دُنیا نام تھا جنم دینے والی دھرتی، محبت بھری نظروں والے سُورج، لوریاں دینے والی ہَوا اور شبنم کی چادر اُڑھا دینے والی رات کا۔

وہ جھوم جھوم کر پانی پینے لگے اور اُن کے پتّے خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ درختوں پر بیٹھی ہوئی چڑیاں چہچہاتی ہوئی نالیوں پر اُتر آئیں اور بے خوفی سے پانی پینے، نہانے اور پھدکنے لگیں...... مینا، فاختہ، کبوتر، توتا اور ہُد ہُد سب قسم کی چڑیاں۔

چیتیا نے پانی اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر پیا، اِس کے بعد ہاتھ جوڑ کر دُعا مانگنے لگی۔

"بھگوان! یہ آنکھیں گاؤں والوں کا دُکھ دیکھتے دیکھتے اندھی ہوگئی تھیں۔ اب تو نے پاتال سے آنے والے پانی کا جلوہ دکھانے کے لیے اِن کو روشنی دی ہے۔ تو بڑا دیالو ہے۔ اب تو سب کھیتوں کی پیاس کو ایسا بجھا کہ وہ کبھی خشک سالی کا شکار نہ ہوں۔ گاؤں بھر کے بچّوں،

بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کے پیٹ سدا بھرتے رہیں۔

بھگوان! تیری کرپا سے اگر ایسے ایسے نل کنوئیں اور بن گئے تو کچھ برسوں کے بعد، اس گاؤں کے سب مکان پکّے ہوں گے۔ گھر گھر دودھ گھی ہوگا۔ اناج سے کھڑیاں بھری ہوں گی۔ بچّوں کے لیے اِسکول، ماؤں کے لیے زچہ خانے اور بیماروں کے لیے اُسپتال ہوں گے اور سب سُکھ بھری زندگی بِتائیں گے۔"

سوالات

۱۔ چیتیا اپنی آنکھوں کی پٹّی نل کنویں کے پاس کھولے جانے کی ضد کیوں کر رہی تھی؟

۲۔ جب اَمر نے ڈاکٹر سے چیتیا کی تمنّا بیان کی تو ڈاکٹر کیا سوچ کر مسکرایا؟

۳۔ ڈاکٹر نے امر کی کس رائے سے اتّفاق کیا؟

۴۔ چیتیا نے جب مشین کا بٹن دبایا تو کیا ہوا؟

۵۔ چیتیا پانی آنکھوں سے لگانے اور پھر پینے کے بعد ہاتھ جوڑ کر کیا کہنے لگی؟

وطن والو

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو!
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو
مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ، پیو، چلے جاؤ
جاگنے والو! غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو! ڈوبتوں کو تراؤ
تم اگر چاہتے ہو مُلک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو
سمجھو آنکھوں کی پُتلیاں سب کو

خواجہ الطاف حُسین حالی

وزیر اعظم

اپنے وزیر اعظم کو تم نے کبھی دیکھا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ نہ دیکھا ہو۔ لیکن تمھارے دوستوں میں سے دو ایک نے ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ مُلک کے دَورے بھی کرتا ہے۔ اس کی تصویریں اخباروں میں بہت چھَپتی ہیں۔ اس کے بارے میں دو باتیں یاد رکھو۔ ایک تو یہ کہ وزیر اعظم وہی بن سکتا ہے جو ہندوستان کی ساٹھ کروڑ آبادی میں سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہو۔ دوسری بات یہ کہ وہ مُلک کا سب سے بڑا حاکم● ہوتا ہے۔

● راج کرنے والا۔

ہندوستان کی راجدھانی دہلی ہے۔ بڑے بڑے دفتر وہیں ہیں۔ ان ہی دفتروں کے ذریعے ہندوستان کا اِنتظام کیا جاتا ہے۔ ریل پر تم نے سفر ضرور کیا ہوگا۔ کون ریل کہاں سے کہاں تک جائے گی؟ اس کا کرایہ کیا ہوگا؟ یہ سب باتیں ریل کے دہلی والے دفتر میں طے ہوتی ہیں۔ اس دفتر کا سب سے بڑا حاکم ریلوے وزیر ہوتا ہے۔

۲۶ جنوری کو فوج کی جو پریڈ ہوتی ہے وہ تم میں سے کچھ

لوگوں نے ضرور دیکھی ہوگی۔ پریڈ میں فوج کے سوار دستے ، پیدل دستے ، توپیں، ٹینک اور ہوائی جہاز وغیرہ یہ سب بینڈ کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ سب سے شاندار پریڈ تو ہوتی ہے دہلی میں۔ لیکن ریاستوں کی پریڈ بھی بہت اچھّی ہوتی ہے۔ ہماری فوج بڑی طاقت ور ہے اور ملک کا بچاؤ اچھّی طرح کرسکتی ہے۔ بچاؤ کو "دفاع" کہتے ہیں۔ اس لیے جو وزیر فوج کا انتظام کرتا ہے ، اس کو وزیر دفاع کہا جاتا ہے۔

● قدم مِلاکر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے۔

جب گھر والا تنخواہ یا مہینے کی آمدنی لے کر گھر آتا ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ کون کون ضروری خرچے ہیں۔ پہلے ان کے لیے رقم نِکالی جاتی ہے۔ پھر کپڑے بنانے اور گھر کی مرمّت کرنے یا دوکان کا مال بڑھانے کے لیے کچھ رقم نِکال لی جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ابھی فلاں فلاں جگہ سے اتنی رقم اور آئے گی اور طے کیا جاتا ہے کہ اس کو کس طرح خرچ کرنا چاہیے۔ اس طرح آمد و خرچ کا حِساب بنانے کو کہا جاتا ہے "بجٹ بنانا"۔

دہلی کی حکومت ، جس کو " مرکزی حکومت " بھی کہا جاتا ہے ، وہ بھی سال میں ایک مرتبہ ملک کا بجٹ بناتی ہے۔ پھر سال بھر بجٹ میں طے کی ہوئی باتوں پر عمل کرنے میں لگی رہتی ہے۔ وزیر مالیات ان سب باتوں کی نِگرانی کرتا ہے۔

مرکزی حکومت میں وزیر ریلوے ، وزیر دفاع اور وزیر مالیات کی طرح کئی وزیر اور ہوتے ہیں۔ ان سب کو مقرّر کرتا ہے وزیراعظم۔ وزیر اعظم چاہے تو ان وزیروں کو بدل بھی سکتا ہے۔ اِتنا بڑا حاکم ہوتا

ہے وہ۔

وزیر اعظم بنتا کون ہے ؟

تم نے الیکشن ضرور دیکھے ہوں گے۔ بڑے الیکشنوں میں تو بڑی چہل پہل اور بے حد جوش ہوتا ہے۔ جلوس نکلتے ہیں، جلسے ہوتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر پر نعرے لگتے ہیں، دیواروں پر پوسٹر چپکائے جاتے ہیں، گلی گلی اِشتہار تقسیم ہوتے ہیں اور دیواروں پر بھی چپکائے جاتے ہیں۔ اخبار تو الیکشن کی باتوں سے بھرے رہتے ہیں۔

● وہ پرچے جن پر الیکشن کی باتیں ہوتی ہیں مفت بانٹے جاتے ہیں۔

الیکشن میونسپل بورڈ اور پنچایت کے بھی ہوتے ہیں، اور ریاست کی اسمبلی کے بھی اور مرکزی حکومت کی لوک سبھا کے بھی۔ ان سب الیکشنوں کے لیے حلقے بنادیے جاتے ہیں۔ پنچایت اور میونسپل بورڈ کے حلقے ایک دو محلوں کے ہوتے ہیں۔ اور لوک سبھا کے حلقے تو بے حد بڑے ہوتے ہیں۔

● ودھان سبھا۔

● یہ طے کر دیا جاتا ہے کہ ان ان مقاموں کے رہنے والے مل کر ایک ممبر چنیں گے۔

ہر جگہ کئی سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ وہ الیکشن میں اپنے اُمّیدوار کھڑے کرتی ہیں۔ ہر پارٹی بتاتی ہے کہ اگر اس کے اُمّید وار دوسری پارٹیوں سے زیادہ جیت گئے تو وہ کس طرح ملک کا انتظام کرے گی۔ ووٹ دینے والا پارٹیوں کی باتوں کو سنتا ہے اور غور کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھتا ہے کہ کس کی باتوں میں کتنی سچّائی ہے۔ پھر جس کو چاہتا ہے اُس کو ووٹ دیتا ہے۔ جس اُمّید وار کو سب سے زیادہ ووٹ ملتے ہیں وہ جیت جاتا ہے۔

● کچھ لوگ مل کر طے کر لیتے ہیں کہ ملک کا انتظام ایسا ایسا ہونا چاہیے اور پھر اس کے لیے لوگوں کو سمجھاتے بجھاتے ہیں۔ ان کو "سیاسی پارٹیاں" کہتے ہیں۔ ان کا اپنا صدر

جب الیکشن ختم ہوجاتا ہے تو جس پارٹی کے اُمّید وار زیادہ

جیت کر آتے ہیں اُسی پارٹی کا جو لیڈر ہوتا ہے وہ وزیر اعظم بنتا ہے۔

اب یوں سمجھیے۔ ہم نے اور آپ نے مل کر اپنے حلقے کے اس اُمّیدوار کو جتا دیا جسے ہم سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ پھر جیتے ہوئے اُمّیدواروں نے مل کر اس شخص کو وزیر اعظم بنا دیا جسے وہ سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس طرح وزیر اعظم وہی ہو سکتا ہے جس پر جنتا کو سب سے زیادہ بھروسا ہو۔ یعنی جو دِلوں پر راج کرتا ہو، وہی ملک پر راج کر سکتا ہے۔ حکومت بنانے کے اس طریقے کو "جمہوریت" کہتے ہیں۔

اور سکریٹری ہوتا ہے اور وہ حلقوں کے لیے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کرتا ہے۔

سوالات :

١۔ وزیر اعظم کے بارے میں یاد رکھنے کی دو باتیں کون سی ہیں ؟

٢۔ مثال دے کر سمجھاؤ کہ بجٹ بنانا کسے کہتے ہیں؟

٣۔ بڑے الیکشنوں میں کیا کیا ہوتا ہے ؟

٤۔ وزیر اعظم کیسے چُنا جاتا ہے ؟

٥۔ جمہوریت کِسے کہتے ہیں ؟

مولانا آزاد

لاہور میں مُسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ تھا، جس میں ہندوستان بھر سے بڑے بڑے عالِم آئے ہوئے تھے۔ اُن کی تقریریں ہو رہی تھیں۔ لوگ اُن عالموں کی تقریریں پہلے بھی سُن چُکے تھے۔ آج وہ مُنتظر تھے۔ ایک نئے عالِم کے جو دو تین سال سے نئے رنگ کے مضمون لِکھ رہا تھا اور بڑے بڑے رِسالوں کا ایڈیٹر بن چُکا تھا۔ اُس کے قلم میں کچھ ایسا جادُو تھا جو مُردہ دِلوں کو بھی جگا دیتا تھا۔

- مذہبی کتابوں کا پڑھا ہوا اور مذہب کی باتوں کا اچھا جاننے والا۔
- اِنتظار کر رہے تھے۔ راہ دیکھ رہے تھے۔

جیسے ہی جلسے میں پُکار کر کہا گیا کہ اب مولانا ابو الکلام آزاد تقریر کریں گے تو سب چوکنا ہو گئے۔ اُن ہی کا تو اِتنی دیر سے اِنتظار تھا۔ آنکھیں ڈھونڈنے لگیں کہ دیکھیں آزاد کیسے ہیں۔ لوگوں کو یقین تھا وہ سفید داڑھی والے بُزرگ ہوں گے۔ اِتنی گہرائی اور اچھوتا پن کم سِن لوگوں میں کہاں مِل سکتا ہے۔

- اُن کے نزدیک یہ بات پکّی تھی۔

پُکار کے بعد اسٹیج پر ایک کم سِن لڑکا آ گیا۔ جس کے چہرے پر داڑھی کا پتہ نہ تھا۔ صرف روئیں آ رہے تھے۔ لوگوں نے دِل میں کہا

- بڑے سِن والے۔

مولانا خود نہیں آئے، اُنھوں نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا۔ یہ شاید اُن کا لکھا ہوا مضمون پڑھے گا۔ لوگوں کو افسوس ہُوا کہ وہ مولانا آزاد کو نہ دیکھ سکے۔

لڑکا جو آیا تھا وہ تقریر کرنے لگا۔ تقریر جُوں جُوں آگے بڑھی علم کا دریا بہنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ بات روشن ہو گئی کہ تقریر کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے اپنے دماغ سے کہہ رہا ہے، کسی دوسرے کی بات نہیں دُہرا رہا ہے۔ اُس لڑکے کی تقریر نے دلوں کو موہ لیا۔ سُننے والوں نے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہی مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ پھر تو اُن کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ یہ سِن اور یہ علم! اُس وقت مولانا صرف سولہ سال کے تھے۔

مولانا آزاد کے والد کا بچّوں کی تعلیم کے بارے میں خاص خیال تھا۔ وہ اُن کو کسی مدرسے میں نہیں بھیجتے تھے۔ خاص خاص کتابیں خود پڑھاتے تھے اور دوسری کتابوں کے لیے اُنھوں نے بڑے بڑے عالموں کو بُلا لیا تھا۔ یہ مدرسہ گھر ہی پر لگتا تھا اور اُس کے طالب علم صرف مولانا آزاد اور اُن کے بھائی اور بہن تھے۔ تعلیم کا وقت بے حد نرالا تھا۔ یہ مدرسہ شروع ہوتا تھا تین بجے رات سے، اور صبح چھ بجے ختم ہو جاتا تھا۔ صرف تین گھنٹے روزانہ۔ مولانا کی تعلیم ایسی ہوئی کہ وہ مذہبی کورس جو مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے، مولانا آزاد نے چار سال میں ختم کر لیا۔ وہ عربی اور فارسی زبانوں کے بھی ماہر ہو گئے۔ اُردو میں لکھنے کا مولانا نے ایسا ڈھنگ نکالا جو بالکل اچھوتا تھا۔

مولانا صرف عالم ہی نہیں تھے۔ وہ بڑی بڑی باتوں پر اپنے ڈھنگ سے سوچتے تھے۔ اُن کے سامنے ہندوستان بھر کے مسئلے آتے تھے۔ اور وہ اُن کے حل نکالتے تھے۔ اُن باتوں کو جب وہ اپنے علم اور گہرائی میں ڈوب کر اپنے خاص ڈھنگ سے لکھتے تھے، تو پڑھنے والوں کے دلوں کو جیت لیتے تھے۔

جب مولانا چوبیس سال کے تھے تب انھوں نے ایک ہفتہ وار "الہلال" نکالا۔ اس میں قومی یکجہتی اور ہندوستان کی آزادی کے لیے لوگوں میں جوش پیدا کیا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مہاتما گاندھی افریقہ میں وہاں کے رہنے والے ہندوستانیوں کی آزادی کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ قوم کی ایکتا۔

ایسی ہی تحریروں کی وجہ سے مولانا کو انگریزی حکومت نے رانچی میں نظر بند کر دیا۔ رہا ہوتے ہی وہ آزادی کی لڑائی میں پھر لگ گئے۔ اب گاندھی جی ہندوستان آچکے تھے۔ مولانا اُن کے ساتھ ہو گئے۔

جب ۱۹۴۲ء کی زبردست تحریکِ آزادی چلی تو مولانا آزاد اُس وقت تحریک کے صدر تھے۔ وہ جواہر لال جی اور سب بڑے لیڈروں کے ساتھ گرفتار کرکے احمد نگر کے قلعہ میں بند کر دیے گئے۔

ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد مولانا آزاد وزیرِ تعلیم بنا دیے گئے اور آخر عمر تک وہ اُسی عہدہ پر رہے۔

مولانا نے اِس بات کو کبھی نہیں مانا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے عظیم پیغمبر نے

بھی غیر مُسلم عربوں کو اپنی قوم کہا تھا۔ پھر ہندوستان کے مُسلمانوں کے لیے غیر مُسلم غیر قوم کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ مولانا کے اِس خیال کی بہت سے مُسلمانوں نے مُخالفت کی اور مولانا کو تنگ کیا۔ لیکن وہ چٹّان کی طرح اپنی بات پر قائم رہے۔ اُنھوں نے ہندوستان کے بٹوارے کی کبھی حمایت نہیں کی۔ مولانا کی رائے مان کر بہت سے مُسلمان بھی بٹوارے کے خِلاف ہو گئے۔ آج یہ بات پکّی ہو چُکی ہے کہ مولانا کی رائے صحیح تھی۔ اِسی لیے ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ اُن کی بڑی عزّت کی جاتی ہے۔

سوالات

۱۔ جلسے میں لوگ کس کے منتظر تھے؟
۲۔ سب لوگ کس اعلان پر چوکنّا ہو گئے اور کیوں؟
۳۔ لڑکے کی تقریر کا سب پر کیا اثر ہُوا؟
۴۔ بچّوں کی تعلیم کے بارے میں مولانا آزاد کے والد صاحب کیا کرتے تھے؟
۵۔ مولانا آزاد نے چوبیس سال کی عُمر میں کیا کیا؟
۶۔ مولانا آزاد احمد نگر کے قلعے میں کیوں بند کر دیے گئے؟
۷۔ بعض مُسلمانوں نے مولانا آزاد کے کون سے نظریے کی مخالفت کی اور کیوں؟
۸۔ مولانا آزاد کی عزّت کس وجہ سے کی جاتی ہے؟

شرافت

تُمہارے کام اگر اچھّے تو نام اچھّے ہیں
گھرانے اچھّے ، گھر اچھّے ، تمام اچھّے ہیں
جو کچھ کہ منہ سے کہو اُس کا لو اثر دِل میں
کہ ہے کتابوں میں جو کچھ کرے وہ گھر دل میں
وہ علم جس سے کہ اوروں کو فائدہ نہ ہوا
ہمارے آگے برابر ہے وہ ہُوا نہ ہُوا

(مولانا محمد حُسین آزاد)

الیکشن

ہندوستان جمہوری ملک ہے۔ اس لیے یہاں کوئی راجا نہیں۔ پرجا ہی راجا ہے۔ وہی اپنی بُرائی بھلائی دیکھ کر راج کا کام چلاتی ہے۔ ہمارے مُلک میں نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ کوئی بڑا۔ ذات پات، رنگ، نسل، جنس اور مذہب کا کوئی بھید بھاؤ نہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب آزاد شہری ہیں۔

● کوئی فرق نہیں۔

جمہوری مُلک میں شہری بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ وہی گاؤں کی پنچایت کے ممبر اور وہی شہر کی میونسپلٹی کے ممبر چُنتے ہیں اور وہی ووٹ سے لوک سبھا میں اپنے نمائندے بھیجتے ہیں، جو حکومت بناتے ہیں اور جیسا چاہتے ہیں قانون بناتے ہیں۔

حکومت بنانے کے لیے نمائندے الیکشن سے چُنے جاتے ہیں۔ مُلک کے سارے بالغ شہری چاہے وہ عورتیں ہوں یا مرد، الیکشن میں ووٹ بھی دے سکتے ہیں اور اُمیدوار بھی بن سکتے ہیں۔ صرف نابالغ، مجرم، پاگل، دیوالیے اور پردیسی ان دونوں حقوق سے محروم ہیں۔

ہمارے ملک میں ہر چھ سال بعد لوک سبھا اور پانچ سال بعد ریاستوں کی اسمبلیوں کے لیے عام الیکشن ہوتے ہیں۔ الیکشن کے لیے ملک بہت سے حلقوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر حلقے سے ایک امیدوار **منتخب کیا جاتا** ہے۔ جب الیکشن قریب آتا ہے تو جو بڑی بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں وہ بتاتی ہیں کہ اگر جیتنے والے امیدواروں میں وہ **اکثریت** میں ہوئے اور اس وجہ سے ان کی حکومت بن گئی تو وہ جنتا کے لیے کیا کیا کام کریں گے۔ پھر ہر پارٹی مختلف حلقوں سے اپنے اپنے اُمّیدوار کھڑے کرتی ہے۔ وہ اپنے اپنے جلسے کرتے ہیں اور ان میں اپنا پروگرام زیادہ پھیلا کر سمجھاتے ہیں کہ وہ ملک کے لیے کیا کیا کرنا چاہتے ہیں۔

● منتخب کیا جاتا ہے: چُنا جاتا ہے۔

● اکثریت میں: تعداد میں زیادہ ہوئے

الیکشن کرانے کا کام ایک بڑے افسر کی نگرانی میں ہوتا ہے اسے "الیکشن کمشنر" کہتے ہیں۔ وہ **غیر جانبداری** سے چُناؤ کا کام کراتا ہے۔ ووٹ دینے والوں کے ناموں کی فہرستیں چُناؤ سے پہلے تیّار کرائی جاتی ہیں۔ ان میں جن لوگوں کے نام ہوتے ہیں ان ہی کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے۔ الیکشن کے اُمّیدوار کا نام بھی اسی فہرست میں ہونا ضروری ہے۔ الیکشن کے لیے جو تاریخ طے کی جاتی ہے، اس دن صبح سے شام تک ووٹ دینے کا کام جاری رہتا ہے۔ ہر **ووٹر** اپنا ووٹ دینے کے لیے اپنے قریبی پولنگ بوتھ پر جاتا ہے۔ وہاں ووٹ دینے والوں کی فہرست میں اس کا نام دیکھا جاتا ہے۔ نام دیکھ کر نشان زد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ووٹر کی اُنگلی پر پکّی سیاہی سے ایک چھوٹا سا نشان بنا دیا جاتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ یہ

● غیر جانبداری: کسی کی طرف داری نہ کرتے ہوئے

● ووٹر: ووٹ دینے والا

ووٹر اپنا ووٹ دینے کا حق استعمال کرچکا ہے۔ پھر ووٹر کو ایک کاغذ جسے " بیلٹ پیپر" کہتے ہیں، دیا جاتا ہے جس پر اس حلقے کے سارے امیدواروں کے نام اور چناؤ نشان چھپے ہوتے ہیں۔ چناؤ نشان اَن پڑھ لوگوں کی سہولت کے لیے ہوتے ہیں۔ ● آسانی

بیلٹ پیپر لینے کے بعد ووٹر ایک ایسے گوشے میں جاتا ہے جہاں کوئی اور نہیں ہوتا۔ یہاں وہ اپنی پسند کے اُمّیدوار کے چناؤ نشان پر مُہر لگاتا ہے۔ پھر بیلٹ پیپر کو تہ کر کے ایک مُہر بند ڈبّے میں جو وہاں رکھا ہوا ہوتا ہے، ڈال دیتا ہے۔ اس طرح کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کس نے کس کو ووٹ دیا ہے۔

چُناؤ کا وقت گزُر جانے کے بعد سارے ووٹ گنے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ ووٹ پانے والا امیدوار کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ وہ عوام کا نمائندہ ہوتا ہے۔ پنچایت اور میونسپلٹی کے چناؤ بھی اسی طرح ہوتے ہیں۔

الیکشن میں کسی فرقہ یا مذہب کی بنا پر ووٹ نہ دینا چاہیے۔ ووٹ اسی پارٹی کو دینا چاہیے جو مُلک کے لیے اچّھے اچھے کام کرسکتی ہو۔ کسی دباؤ میں آکر یا کوئی چیز پاکر ووٹ دینا جُرم ہے۔ چناؤ میں ووٹ دینے کا حق بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کو استعمال ضرور کرنا چاہیے۔

سوالات :

۱۔ جمہوری مُلک کسے کہتے ہیں ؟

۲۔ ووٹ دینے اور اُمّیدوار بننے کے حق سے کون لوگ محروم ہیں ؟

۳۔ الیکشن کمشنر کی نگرانی میں چُناؤ کا کام کس طرح انجام دیا جاتا ہے ؟

Rs. 14/=

Printed at : JK Offset Printers, 315, Jama Masjid, Delhi-110006.
Phone : 3279852,3267633 Fax - 3237241